# کلیات اختر مسلمی

مرتب
فہیم احمد

## اختر مسلمی میری نظر میں

ادب و شاعری میں بنیادی اور اہم چیز اس کا شعور ہے۔ جدّت اور انفرادیت نیز تازگی وغیرہ کی تمام کونپلیں روایت کے گہرے اور تازہ کار شعور کے پیڑ پر پھوٹتی ہیں۔ وہ فن کار، نقاد یا قاری، جو اس نکتے کو نظر انداز کرتے ہیں میری نگاہ میں ادب اور شاعری کے اہم اور بنیادی تقاضے سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ یہاں یہ لکھنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ شاعری میں ''روایت پرستی'' بری چیز ہے، مگر روایت کا گہرا شعور ایک اچھی چیز ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اختر مسلمی کے یہاں روایت کا گہرا شعور نظر آتا ہے، جس کی مدد سے شاعر نے روایت کی توسیع کا کام کیا ہے۔ یہ توسیع شاعر نے اظہار اور اس کے تمام وسیلوں نیز مواد اور اس کے سارے پہلوؤں کی وساطت سے کی ہے۔ انھوں نے شعری روایات کے شعور میں اپنی ذات کے تخلیقی تجربوں کو آمیز کر کے، ایک نیا اور روح پرور شعری منظر نامہ تشکیل دیا ہے۔ شاعر نے اپنے رنگ افشاں جذبات، مجروح تمناؤں اور خون آلودہ خوابوں کو مہذّب شعری زباں اور محتاط اندازِ بیان میں ادا کیا ہے۔

یہ احتیاط، توازن اور اعتدال ان کی شاعری میں مذہبی حسّیت خاص طور پر تصورِ توحید و رسالت اور تہذیب و سماج کی راہ سے آیا ہے۔ انھوں نے یہ خصوصیات حمد و نعت کے ساتھ اپنی غزلوں میں بھی روا رکھی ہیں۔ شاعر نے تغزّل کے میدان میں، خاص طور پر حُسن و عشق کی کیفیات کے بیان میں بھی رومانی وفور اور اس کی اظہاری بے پردگی پر غم زدگی اور سپردگی کو ترجیح دی ہے۔ ان کی غزلوں کے چہرے پر اخلاقی اقدار کا نور اور ان کی شاعری کی آنکھوں میں تہذیبی اور سماجی افکار کا سرور ہے۔ انھوں نے اپنے تجربوں کے جمالیاتی مواد کو شاعری کی مہذّب زبان میں ایک خاص ادائے احتیاط کے ساتھ پیش کیا ہے۔ میں جناب دانش فراہی کا ممنون ہوں کہ ان کی وساطت سے اختر مسلمی صاحب کا کلام پڑھنے کو ملا۔ میں دل کی گہرائی سے شاعر کے نئے مگر پرانے شعری مجموعہ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

پروفیسر عنوان چشتی

صدر شعبۂ اردو

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

۱۷/ نومبر ۱۹۹۵ء

# کُلّیاتِ اختؔر مسلمی

مرتب

فہیم احمد

کتاب کا نام : کلّیات اختؔر مسلمی
مصنف : اختؔر مسلمی
مرتب : فہیم احمد
اشاعت : ۲۰۱۳
قیمت : ۳۰۰ روپئے
کمپوزنگ : ندیم احمد (فراہی کمپیوٹرس)
ناشر : دانش فراہی، رام لیلا میدان، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

Wise Publications
ISBN: 978-81-910753-9-7

**ملنے کے پتے**

- فضل الرحمٰن مسلمی، جامع مسجد جدید، سرائے میر اعظم گڈھ، یوپی
- البدر بک سینٹر، سرائے میر اعظم گڈھ، یوپی
- صغیر بُک ڈپو، سرائے میر اعظم گڈھ، یوپی
- البلاغ پبلیکیشنز، N-1، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

---

Name of the Book : Kulliyat-e-Akhtar Muslimi
Poet : Akhtar Muslimi
Compiled by : Faheem Ahmad
Address : A213/1, 3rd Floor
Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi-110025, India

# کلیاتِ اختر مسلمی

صاحب زادہ اختؔر مسلمی ''فضل الرحمٰن'' کی خواہش پر

صاحبِ کلیات کے نواسے

فہیم احمد

ڈاکٹر وسیم فراہی

ندیم ریاض فراہی

کی کاوشوں سے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں

ریاض احمد دانشؔ فراہی

# فہرست

# عرض ناشر

ہماری ادبی اور تہذیبی تاریخ کا ایک پس منظر ہے جس میں فرد و اجتماعیت کے حوالے سے نہ صرف بہت کچھ سوچا اور کہا گیا ہے بلکہ اس پر بعض ادوار میں اس انداز سے عمل کیا گیا ہے کہ وہ آج بھی ہمارے لئے سرمایۂ افتخار بنا ہوا ہے۔کلیات اخترؔ مسلمی کی اشاعت کا مقصد نہ صرف صحت مند ادبی روایات کے تسلسل کو برقرار رکھنا ہے بلکہ ایک ایسے ادیب و شاعر کو قارئین سے روشناس کرانا ہے جس نے مرکز سے دور رہ کر بھی اردو کی بے لوث خدمت کی۔

آج کی دنیا ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جہاں عمومی طور پر اقدارِ حیات کا تصور مٹتا جا رہا ہے یا اسے پامال کیا جا رہا ہے اور نئی اقدار کا تصور اس کی جگہ رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس وقت دنیا کے سامنے ایک اہم سوال کی صورت موجود ہے اور ہمارا عام مشاہدہ بھی یہی بتاتا ہے کہ رفتہ رفتہ وہ ادارے اور معاشرتی ماحول معدوم ہوتا جا رہا ہے جس کی اندرونی ساخت میں فرد کی تربیت اور اقدارِ حیات کا احترام ایک ناگزیر عنصر کی حیثیت سے نسل در نسل منتقل ہو رہا تھا۔اب اگر شاعری کی افادیت و مقصدیت کی روایتی بحثوں میں پڑے بغیر یہ دیکھا جائے کہ اس کے ذریعہ ہم عام افراد کے لیے کیا کر سکتے ہیں تو اس بحرانی ماحول میں وہی شاعری کا ایک سچا مصرف ہوگا۔ہم امید کرتے ہیں کہ ادبی حلقوں میں کلیات اخترؔ مسلمی کو پزیرائی حاصل ہوگی اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

دانش فراہی
پھریہا، اعظم گڑھ

# حرفِ مرتب

شعر و ادب کی افادیت و معنویت اس کی آفاقیت میں ہے۔ سماج و تہذیب ارتقائی عمل سے عبارت ہیں، کہ اسی میں انھیں زندگی و دوام حاصل ہے۔ شاعر بھی اسی سماج کا حصہ ہوتا ہے، اور اچھا شاعر وہی ہے جو بدلتے ہوئے سماج پر گہری نظر رکھتا ہو، اس کا باریک بینی سے جائزہ لیتا ہو اور وہ جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو اپنے احساسات و جذبات کے آئینے پر شفاف تصویر کی طرح پیش کر دیتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اچھا شاعر و ادیب بیک وقت بہترین نقاد، ماہر سماجیات، ماہر سیاسیات، مورخ اور فلسفی سبھی کچھ ہوتا ہے۔

آج انسان جن حالات سے گذر رہا ہے وہ بہت ہی کربناک، المناک اور دردناک ہے۔ پوری انسانیت ایک پُر تشدد، وحشتناک اور فرقہ واریت کے ناپیدا کنار سمندر میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ فضائیں انسانی عظمتوں کی بکھرتی ہوئی دھجیوں سے اٹی ہیں۔ اب ایسے ماحول میں اخترؔ مسلمی کے کلام اور صدائے دلِ درمند کو (جو انسانی دوستی کا ایک مرقع ہے) زیورِ طبع سے آراستہ کرنے کے لئے راقم نے یہ سوچ کر قدم اٹھایا ہے کہ شاید آپ کی شاعری اس ماحول کی کثافت کو دور کر سکے۔

اخترؔ مسلمی کی شاعری کا راز ان کے سماجی شعور، مستقبل شناسی اور ارتقائی رجحان میں مضمر ہے۔ انہوں نے جس خوش اسلوبی سے اپنے اشعار کا انتخاب کیا وہ ہم جیسے



لوگوں کے احساسات و جذبات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔

اخترؔ مسلمی کا پہلا شعری مجموعہ ''موجِ نسیم'' اور دوسرا ''موجِ صبا'' ہے۔ دونوں مجموعے شائع ہو چکے ہیں جب کہ تیسرا شعری مجموعہ ''جام و سنداں'' کلیاتِ اخترؔ مسلمی کے حصے کے طور پر آپ کے سامنے ہے۔ تینوں مجموعوں میں شاعر کے رجحانات کی ارتقائی شکل بخوبی نظر آتی ہے۔ انھوں نے نہ صرف صنفی تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا ہے بلکہ موضوعات کے انتخاب میں بھی گہری فہم و فراست کا ثبوت دیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اخترؔ مسلمی ایسے کہنہ مشق شاعر ہیں جو صحت مند روایات کی بنیاد پر جدید خیالات کی عمارت تعمیر کرتے ہیں، اور یہی چیز ان کی شاعری کی اہمیت و افادیت کو ہمیشہ برقرار رکھے گی۔

ہم ان تمام ادباء اور اسکالرز کے بے حد ممنون ہیں جنھوں نے اپنے تاثرات کے ذریعہ اخترؔ مسلمی کے فن اور ان کی شخصیت کو سمجھنا آسان بنا دیا۔ ناسپاسی ہوگی، اگر ہم ڈاکٹر ناطق اعظمی، اشتیاق اعظمی اور مولانا انیس احمد اصلاحی کا ذکر نہ کریں جنھوں نے کلیات کو مرتب کرنے میں دشواریوں کو آسانیوں میں بدل دیا۔

بڑی ناشکری ہوگی بلکہ حق ہی ادا نہ ہوگا اگر ہم ایسے موقع پر ابو محمد منگراوی کا ذکر نہ کریں، جن کی اخترؔ مسلمی صاحب سے بے پناہ محبت کلیات کی اشاعت میں معاون ثابت ہوئی۔

میں اپنے والد محترم دانش فراہی اور والدہ محترمہ (بنت اخترؔ مسلمی) کی شفقتوں اور محبتوں کا شکریہ الفاظ میں نہیں ادا کر سکتا جنھوں نے کلیات کی ترتیب میں قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔

قارئین عظام! کسی معتبر کتاب کی اشاعت و طباعت کے سلسلے میں حسن ترتیب، تصدیق اور صحت کلام کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ایک انسان کی طاقت اور استطاعت جس قدر کوشش کا تقاضہ کرتی ہے اس میں ہم نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ پھر بھی فروگزاشت فطرت انسانی کا خاصہ ہے۔ اس لئے ہم نہایت ادب کے ساتھ اصحاب علم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہماری کسی بھی خطا یا کوتاہی کی نشاندہی کر کے شعر و ادب اور اختر مسلمی مرحوم کے حق سے سبکدوش ہوں۔

ہم آخر میں قارئین کرام سے مرحوم کے حق میں بارگاہ ایزدی میں دست آوری کی درخواست کرتے ہیں کہ خداوند قدوس ان کی لحد پر لطف و رحمت کی بارش برسائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

امید ہے کہ ہماری یہ گذارش صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی۔

ع شبانہ روز ہو تربت پر اس کی لطف ربانی

فہیم احمد

نئی دہلی



# اختر مسلمی

## فن اور شخصیت

ضیاء الدین اصلاحی ڈائریکٹر دار المصنفین اعظم گڈھ

جناب اخترؔ مسلمی مرحوم کے کلام کے دو مجموعے ''موج نسیم'' اور ''موج صبا'' ان کی زندگی میں چھپے تھے، اب ان کی وفات کے بعد دانشؔ فراہی کی تگ و دو سے یہ کلیات شائع ہو رہا ہے۔

مرحوم کا اصلی نام عبید اللہ تھا، ان کا تعلق اعظم گڈھ کی مردم خیز سرزمین سے تھا، آبائی وطن اس ضلع کا مشہور گاؤں پھریہا تھا، جو ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کا بھی وطن تھا، لیکن اختر مرحوم کے والد بزرگوار نے اسی ضلع کے دوسرے ممتاز گاؤں ''مسلم پٹی'' میں سکونت اختیار کر لی تھی جہاں وہ درس و تدریس کی خدمت پر مامور تھے، اسی مردم خیز بستی کو مرزا احسان احمد جیسے ممتاز ادیب و شاعر اور بلند پایہ نقاد کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے، یہیں اخترؔ صاحب بھی بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آخر یا تیسری دہائی کے شروع میں پیدا ہوئے۔ اور اسی کی نسبت سے وہ اپنے کو مسلمی لکھتے تھے۔

مرحوم کی ابتدائی تعلیم مسلم پٹی میں ہوئی، اس کے بعد انھوں نے اپنے علاقہ کی مشہور درس گاہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں داخلہ لیا اور اردو فارسی اور متوسطات تک عربی کی تعلیم حاصل کی، مگر والد کے انتقال اور خانگی پریشانیوں کی وجہ سے درمیان ہی میں تعلیم کا سلسلہ ترک کرنا پڑا اور گزر اوقات کے لیے پہلے معلّمی کا پیشہ اختیار کیا پھر صنعت وتجارت کو ذریعہ معاش بنایا اور سرائے میر میں متوطن ہوگئے اور اسی کی خاک کا پیوند بھی ہوئے ۔

اعظم گڈھ میں اقبال احمد خاں سہیلؔ اور مرزا احسان احمد کے بعد کی شعرا کی نسل میں گوکئی اچھے شاعر پیدا ہوئے لیکن جناب اخترؔ مسلمی اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ انھوں نے جس دور میں شاعری کے کوچے میں قدم رکھا، یہ اردو کی ترقی پسند تحریک کے عروج و شباب کا زمانہ تھا، اس تحریک کے اثر سے اردو شاعری کی صنفِ غزل پر، جو اختر صاحب کو نہایت محبوب تھی بڑا سخت وقت آیا ہوا تھا چنانچہ جگر مرادآبادی جیسے غزل کے پرستار شاعر قحط بنگال سے متاثر ہوکر کہتے ہیں :

فکرِ جمیل خوابِ پریشاں ہے آج کل — شاعر نہیں ہے جو کہ غزل خواں ہے آج کل

اس کے بعد ''جدیدیت'' کا غلغلہ اِس زور شور سے بلند ہوا کہ غزل کے لیے ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن'' کا عالم تھا لیکن اس پُر آشوب دور میں جو شعرا غزل کو اردو شاعری کی آبرو سمجھ کر اس کے گیسو سنوارنے میں مصروف رہے ان میں جناب اخترؔ مسلمی بھی تھے، جو پورے عزم و وثوق سے کہتے ہیں:

حسن پر آنچ آنے نہ دیں گے — عشق کی شان جانے نہ دیں گے
خاک ہوجائے دل سوزِ غم سے — اشک آنکھوں میں آنے نہ دیں گے



اخترؔ مسلمی اصلاً غزل کے شاعر تھے اور اس کا ستھرا اور اچھا ذوق رکھتے تھے، غزل کا موضوع حسن وعشق کے معاملات اور الفت ومحبت کے جذبات کی ترجمانی ہے، عشق ومحبت کے نازک اور لطیف جذبہ کی ترجمانی ومصوری کے لیے پُر گو شاعر اور موزوں طبع ہونا کافی نہیں ہے بلکہ دردمند دل ، بے چین طبیعت اور نکتہ شناس نظر والا ہونا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی کلام لطافت ورنگینی کا پیکر، سوز وگداز کا مرقع، کیف وسرور اور لطف ونشاط کا سامان نہیں ہوسکتا، ایک غزل گو شاعر عشق کی صعوبتوں اور دشواریوں اور راہ محبت کے شدائد وآلام سے کبھی آزردہ اور مضطرب نہیں ہوتا، اس کو محبوب کی چشم قہر وعتاب میں لطف وعنایت اور اس کے جور وستم میں لذت وحلاوت ملتی ہے، وہ اس کی پیہم جفاؤں کا آرزومند رہتا ہے اور زخم کھا کر بھی مسکراتا ہے اور اپنی زبان پر کوئی حرف شکایت اور کلمہ فریاد نہیں لاتا، آہ وفغاں کو عشق کی توہین اور محبت کی رسوائی خیال کرتا ہے۔

تغزّل کی بزم کیف ونشاط میں آلام ومصائب کا گلہ، محرومیوں اور ناکامیوں کا دکھڑا اور ہمّت وولولہ شکن باتوں کا تذکرہ سراسر ناروا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں درد جاں نواز، غم روح پرور اور رنج وسرور لذّت بخش ہوتا ہے اور اسی لذّتِ غم سے قلب و روح کو بالیدگی اور فرحت وتازگی حاصل ہوتی ہے، عشق کے پاس ہر غم واندوہ کا مداوا، ہر درد کی دوا اور ہر مرض کا علاج موجود ہے، اس سودا میں نفع ہی نفع ہے اور کسی ضرر و زیاں کا کوئی اندیشہ ہی نہیں ہے ۔ اخترؔ مسلمی مرحوم غزل کے ادا شناس اور اس کی خوبیوں اور نزاکتوں سے واقف، دولت درد سے مالا مال اور عشق کے انعامات اور بخششوں سے پوری طرح متمتع تھے۔ اس لیے ان کا دل کیف ونشاط سے معمور اور

جوش و مستی سے سرشار رہتا تھا، نزولِ مصائب پر آہ و فریاد کے بجائے ان کے ہر بن مو سے صدائے مرحبا بلند ہوتی تھی، ان کے چند اشعار سے اس کی تصدیق ہوگی:

دردِ دل ، زخمِ جگر، سوزِ نہاں، اشکِ رواں حضرت عشق نے بخشا ہے یہ انعام مجھے

خواہش کچھ اسی کو ہے ترے رحم و کرم کی لذت نہ ملی ہو جسے بیداد و ستم کی

کیا کہوں دل مرا کس درجہ غنی ہے اے دوست دولتِ درد اسے جب سے ملی ہے اے دوست

مجھ کو منظور نہیں عشق کو رسوا کرنا ہے جگر چاک مگر لب پہ ہنسی ہے اے دوست

آپ کا تیر اور دل کو صدمہ رنج ہوگا کسے میہماں سے

غمِ دوست اور میرا خانۂ دل مکاں آباد ہے اپنے مکیں سے

چھپاتی رہیں رازِ غم زندگی بھر مری آہیں نغموں کے سانچے میں ڈھل کے

نہ گلہ مصیبتوں کا نہ شکایتِ ستم ہے ترے عشق نے سکھایا مجھے غم میں مسکرانا

رہے ذوقِ غم سلامت کہ اب آرزو ہے اخترؔ کوئی بجلیاں گرائے میں بناؤں آشیانا

اخترؔ مسلمی کے لیے محبوب کا تصور و خیال ہی کافی روح پرور اور نشاط و طرب انگیز ہے، اس لیے ہجر میں بھی ان پر وجد کی کیفیت طاری رہتی تھی اور وہ فرقت اور جدائی کے عالم میں بھی مست و سرشار دکھائی دیتے تھے۔

یوں تصوّر میں تھا روئے تاباں ترا شامِ غم میں بھی لطفِ سحر مل گیا

وہ ہمیشہ سرگرم جستجو رہنا پسند کرتے تھے، ان کے ذوق طلب، شوق تمنا اور جوشِ آرزو کو کہیں قرار نہیں ملتا تھا۔ ان کا جذبۂ عمل منزل کو گریزاں بناتا تھا اور تلاشِ منزل کو کم طلبی اور عشق کی خامی سمجھتا تھا۔

کچھ نہ تھا منظور جز ذوقِ طلب لوٹ آئے جا کے منزل کے قریب



راہِ طلب کی دشواریاں ان کا عزم و حوصلہ بڑھاتی تھیں، مشکلات ان کے گامِ شوق کو تیز تر کر دیتی تھیں، آسانیوں سے ان کا ذوقِ سفر لٹتا اور برباد ہوتا تھا، ان کی موج زندگی کو شورش عمل کے لیے ہمیشہ پر خطر راہوں کی تلاش رہتی تھی، ملاحظہ ہو:

یہ ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی، یہ سکون بخش سائے رہِ عشق کے مسافر تجھے نیند آ نہ جائے

ظاہر بینوں کو چاہے اس پر حیرت و تعجب ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ عشق فضائل و مکارم کا معلم و داعی ہے، اخترؔ صاحب کو مکتبِ عشق سے غیرت و خودداری کا سبق ملا ہے، وہ گدایانہ عجز و ابتذال کو انسانی عظمت کے منافی اور آستان غیر پر ناصیہ فرسائی کو اپنی توہین سمجھتے تھے۔

میں اور کروں سجدۂ اغیار ارے توبہ پیشانی فرشتوں نے مرے سامنے خم کی

آستانِ دوست کے سجدوں پہ ہے نازِ عروج کب کسی کے سامنے جھکتی ہے پیشانی مری

وہ اپنی دنیا آپ تعمیر کرنے کے قائل تھے، دوسروں کا دست نگر بننے کے بجائے اپنے دست و بازو کی قوت پر ناز کرتے تھے اور اپنے درد کا درماں حاصل کرنے کے لیے کسی کا منت کش ہونا گوارا نہیں کرتے تھے، اپنا ظلمت کدہ اپنے جلوؤں اور اپنے جگر کے داغوں سے روشن کرنا چاہتے تھے:

ناگوار اس کو ہے شرمندۂ احساں ہونا آ گیا آپ مرے درد کو درماں ہونا

ہوجاتی ہے شامِ غم روشن اب میرے جگر کے داغوں سے

یہ انجم تاباں کیا ہوں گے، یہ ماہِ درخشاں کیا ہوگا

ان کی غیرت و خودداری نے ان کو حرص و آز سے بے نیاز کر دیا تھا، ارض و سما کی دولت بھی ان کو باطل کے سامنے سرنگوں نہیں کر سکتی تھی، وہ لالچ اور طمع کی وجہ سے اپنے

نظریہ ومقصد سے دست بردار نہیں ہو سکتے تھے، دولت وثروت کی فراوانی کے بجائے وہ اپنے فقر وافلاس پر مگن رہتے تھے۔

ملے اس کے عوض گر دولتِ کونین بھی مجھ کو<br>
در باطل پہ ناممکن ہے میں سرخم کروں اپنا

منزل کی تمنا ہے تو ٹھکرا کے نکل جا<br>
صیاد لیے دانہ و دام آتے رہیں گے

اخترِ مسلمی کے پاس ثروت و جاہ گر نہیں<br>
وائے نصیبِ دشمناں گنجِ متاعِ فن تو ہے

ان کی طبیعت کی شرافت خویش و بیگانے میں فرق نہیں کرتی، دشمن کا درد وکرب بھی ان کو تڑپا دیتا ہے۔

تم ہو کہ ہے اپنوں پر بھی ستم، میں ہوں کہ ہے میرا یہ عالم<br>
دشمن پہ بھی ہو بیداد اگر دل وقفِ الم ہو جاتا ہے

اختر مرحوم کی جرأتِ رندانہ کسی حیلہ ومصلحت کی پابند نہیں تھی، ان کی طبیعت منافقت اور ظاہر داری سے ابا کرتی تھی، وہ جھوٹ کو سچ اور حق کو باطل سے گڈ مڈ کرنا پسند نہیں کرتے تھے، موجودہ دور کے ''صلح کل'' کے علمبرداروں کے برخلاف وہ صیاد و باغباں دونوں سے دوستی کی پینگیں بڑھانے اور دیر وحرم دونوں کی عقیدت ومحبت کا دم بھرنے کے قائل نہیں تھے، وہ ہماری گزشتہ تاریخ کو منافقت کے ان واقعات سے خالی بتاتے ہیں:

آباد رہیں دونوں بُت خانہ بھی کعبہ بھی<br>
یہ بات نہ تھی تم میں اے شیخِ حرم پہلے

وہ ہر حال میں لوگوں کی خفگی اور ناراضگی کی پروا کیے بغیر حق و راستی کو اپنا شعار اور طغرائے امتیاز سمجھتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، ملاحظہ ہو:

ساری دنیا جو خفا ہے تو خفا رہنے دو<br>
میرے ہونٹوں پہ مگر حق کی صدا رہنے دو

دوستو مجھ کو پرستارِ خدا رہنے دو<br>
اہلِ بُت خانہ خفا ہیں تو خفا رہنے دو



میرے اظہارِ حقیقت پہ جہاں میں یارو<br>
ایک ہنگامہ بپا ہے تو بپا رہنے دو

کر کے آمیزشِ باطل نہ کرو مسخ اسے<br>
حق اگر حق ہے تو باطل سے جدا رہنے دو

ظلمتِ کفر میں گُم ہو گئے راہوں کے نقوش<br>
دیدۂ شوق میں ایماں کی ضیا رہنے دو

اختر صاحب کے نزدیک غزل حدیث دلبری ہے لیکن ان کو اس کے صحیفۂ کائنات ہونے میں بھی کوئی تامل نہیں ہوتا تھا۔ انھوں نے اس کو جہاں حسن وعشق کی ترجمانی کا وسیلہ بنایا تھا وہیں کائنات اور اس کے مسائل کو بھی موضوعِ سخن بنایا تھا، گیسوئے دوست کی طرح گیسوئے قوم و وطن کو بھی سنوارنا ضروری خیال کرتے تھے۔ موجودہ دور کی بے راہ روی، تخریب کاری اور ابتر حالات نے شاعر کے حساس اور درد مند دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ درندگی اور بہیمیت کے شرم ناک مظاہرے، لوٹ کھسوٹ، ظلم وتشدد، بغض ونفرت، غریبوں اور کمزوروں کا استحصال، امراء وارباب سیاست کی خود غرضی، رحم ومروّت اور اخلاق وشرافت کے پاکیزہ جذبات کا فقدان اور اخلاقی قدروں کی پامالی دیکھ کر شاعر کا دل درد وغم کی مجسم تصویر بن جاتا تھا اور وہ سینہ کوبی پر آمادہ ہو جاتا تھا لیکن اس کی ہمت کو آفریں ہے کہ وہ ایسے پر آشوب حالات میں بھی مایوس اور مضمحل نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا امنگ وحوصلہ بلند رہتا تھا اور وہ تعمیر کا جوش وولولہ رکھتا تھا، ایک مسلسل غزل کے اشعار سے موجودہ زبوں حالی اور شاعر کے ولولوں کا اندازہ ہوگا۔

ہر شبِ تارِ خزاں صبحِ بہاراں کر دیں<br>
خارِ بے جاں کو بھی رشکِ چمنستاں کر دیں

عیش میں اپنے نہ ہو جن کو غریبوں کا خیال<br>
ان کے ہر عیش کا شیرازہ پریشاں کر دیں

چیخ چیخ اٹھتے ہیں جس درد کی بے تابی سے<br>
دلِ مظلوم کے اس درد کا درماں کر دیں

کر کے باطل کے خداؤں کی خدائی نابود — دوستو آؤ علاجِ غمِ دوراں کر دیں
چار سو بغض و عداوت کی گھٹا چھائی ہے — دہر میں شمعِ محبت کو فروزاں کر دیں
ہے اخوت کا اثر جن کے دلوں سے مفقود — ان درندہ صفت انسانوں کو انساں کر دیں
ظلمتِ شب میں بھٹکتا ہے زمانہ اخترؔ — آؤ ہر ذرّے کو خورشید درخشاں کر دیں

ان شریفانہ جذبات اور پاکیزہ خیالات اور نیک احساسات کے بعد کس کو اختر صاحب کے اِس خیال میں شک ہوسکتا ہے کہ

اخترِ تباہ سے اِس قدر نہ چونکئے
حال ہی بُرا ہے صرف، آدمی بُرا نہیں

اختر مرحوم کا دل قوم وطن کے دامِ محبت میں گرفتار ہو کر ہمیشہ ان کا خیر خواہ اور ہمدرد رہا، ملک میں ہونے والی زیادتیوں ، ناانصافیوں اور دہرے برتاؤ اور معیار کے خلاف انھوں نے بڑی ہمت و جرأت کے ساتھ آواز بلند کی، آزادی کے بعد فرقہ وارانہ ہنگاموں کی جو آگ بھڑکی اور جس میں انسانوں نے اپنے ہی ابنائے جنس کے خون سے ہولی کھیلی، جن لوگوں نے قومی تحریک اور آزادی کی جنگ میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا، ان کی خدمت کو نظر انداز کر کے ان کی وفاداری پر شک و شبہ کیا جانے لگا اور انھیں غدار قرار دینے کی کوشش کی جانے لگی، خودغرض ، مکار اور مفاد پسند سیاست دانوں نے موقع پرستی اور اقتدار پسندی کا رویہ اپنالیا، یہ ساری باتیں اختر کی شاعری میں فن کی خوبی و خوبصورتی کو برقرار رکھتے ہوئے تفصیل سے بیان ہوئی ہیں، ایک مسلسل غزل کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

نہ شیخ کا ہے تذکرہ ، نہ برہمن کی بات ہے
مری زباں پہ چند اہلِ مکر و فن کی بات ہے



کسی پہ گُل کی بارشیں ، کسی کو خار و خس ملے
یہ باغ باں کا ظرف ہے، چمن چمن کی بات ہے
کسی کو خم کی خم ملی ، کوئی ترس کے رہ گیا
ہٹاؤ جانے دو تمہاری انجمن کی بات ہے
جو بو الہوس ہیں،ان کو تم وفا پرست کہتے ہو
چلو یہی سہی، تمہارے حسنِ ظن کی بات ہے
وفا کرو جفا ملے، بھلا کرو برا ملے
ہے ریت دیش دیش کی ، چلن چلن کی بات ہے

ان اشعار میں جو کرب اور طنز ہے ان کی کسک اور لذّت سے یقیناً ناظرین بھی بے چین اور لطف اندوز ہوئے ہوں گے ۔ یہ اشعار سیاسی حقائق کا مرقع ہونے کے باوجود رعنائی و دلکشی سے معمور اور تغزل کے محاسن وخصوصیات سے پوری طرح آراستہ ہیں۔

اختر صاحب نے بادہ و ساغر کے پردے میں مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی کی ہے،فرماتے ہیں:

قصورِ نظر ہے کہ جانا نہ تجھ کو — کہاں تیرے جلووں کو دیکھا نہ ہوگا

حمد و مناجات میں بھی اشعار کہے ہیں شروع میں وہ عشقِ مجازی کی وادیاں قطع کرتے رہے ہیں۔

بہر حال دل جلوہ گہہ ہے کسی کی — جو کعبہ نہیں ہے تو بُت خانہ ہوگا

وہ اس سے واقف تھے کہ عشق مجازی عشق حقیقی کا زینہ اور بُت خانہ کی جلوہ

گاہ ، کعبہ کی جلوہ گاہ تک رسائی کا وسیلہ بنتی ہے۔

ہے نورِ حقیقت کا جو یا تو مگر زاہد　　اس راہ میں ملتے ہیں انوارِ صنم پہلے
مرے لیے تو سہل تر ہوگئی حق کی معرفت　　زینۂ معرفت بنا عشقِ صنم کا سلسلہ

بالآخر وہ جلوہ گاہ حق پر پہنچ کے شاد کام ہوئے اور وہ اس طرح کے اشعار کہنے لگے

مصلحت کیا ہے مصائب میں مشیت جانے　　بندگی کا تو تقاضا ہے کہ رحمت جانے
برس پڑیں گی گھٹائیں ، امنڈ کے رحمت کی　　تو سر جھکا کے ذرا اشک بار ہو تو سہی

ضیاء الدین اصلاحی
ڈائریکٹر دارالمصنفین اعظم گڈھ
۱۴؍جون ۲۰۰۲ء/۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ



# اختر مسلمی سے ایک ملاقات

سید حامد صاحب، سابق وائس چانسلر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اختر مسلمی کے مجموعۂ کلام پر تأثراتی تبصرہ کرنا میرے لیے خوشی اور فخر کا باعث ہے۔

ایک مرتبہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ پر حاضر ہوا تو وہاں کے ارباب ذوق نے ایک شعری نشست کا پروگرام رکھا۔ جس میں میری پہلی ملاقات اختر مسلمی سے ہوئی اور انہیں کی زبانی ان کا لکھا ہوا اصلاحی ترانہ سنا تو اسی وقت مجھے ان کی عظمت کا اعتراف ہوگیا اور ان سے ان کی بہت سی غزلیں سننے کا اتفاق ہوا اور یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اس چھوٹے سے قصبے میں اتنا عظیم شاعر موجود ہے۔

اردو شاعری کی مقبولیت کا اندازہ لگانا ہو تو بڑے شہروں کو چھوڑ کر قصبات میں جا کر دیکھیے ، وہاں نا آلودہ ذوقِ شعر گوئی ملے گا اور غزل کی روایت کا تسلسل بھی۔ اردو شعراء کو دیکھنے اور سننے کے بعد میں اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمارے ان شعراء کے یہاں بھی جو پرانی کلاسیکل روش پر چل رہے ہیں بہت کچھ پڑھنے ، سمجھنے اور خط اندوز ہونے کے لیے ملے گا۔ شعر گوئی کا یہ کمال کیا کم ہے کہ وہ شاعر کو بھیڑ میں گم ہوجانے سے بچاتی ہے، اسے اس کی انفرادیت کا احساس دلاتی ہے۔ اس

کو نشو و نما دیتی ہے ، اس کا دھیان اپنے جذبات و احساسات پر غور وفکر کرنے کی طرف دلاتی ہے، اُسے زبان کی صلاحیتوں سے آشنا کرتی ہے ،فکر اور اظہارِ فکر کی قدرت بخشتی ہے ۔شاعر خواہ عرف عام میں اس کا مرتبہ کچھ ہی ہو، خود اپنا مرتبہ داں ہوتا ہے۔ روزگار کے فشار، روز مرّہ کی بے کیف مصروفیات، افکار کی یورش اور حوادث کے سیلاب، نکتہ چینیوں کی یلغار، کدورتوں کے غبار اور کاروبار کی الجھنوں اور تعلقات کی پیچیدگیوں اور روح فرسا مکروہات۔ ان سب کے لیے سپر بن جاتی ہے۔ وہ جذباتی اور فکری زندگی جو ہر چھوٹا بڑا شاعر اپنے لیے ڈھال لیتا ہے وہ اس کے لیے ایک حصار کا کام کرتی ہے جس میں وہ مگن اور مسرور رہ سکتا ہے۔

اخترؔ مسلمی کی جو غزلیں طباعت کی منزل سے گذر چکی ہیں اور ہنوز جو محرومِ طباعت ہیں ان سے ان کی شخصیت اور اُن کے دِل کی تڑپ آشکار ہوتی ہے۔ محبوب کی ستم ظریفی کو کس سادگی سے داد دیتے ہوئے شاعر آگے بڑھتا ہے:

میں گلہ اگر کروں گا اسے ناروا کہو گے<br>
جو ستم سے مر گیا تو مجھے بے وفا کہو گے<br>
مرے دل کی اُلجھنوں کو مِری چشمِ نم سے پوچھو<br>
میں زباں سے کچھ کہوں گا تو اسے گلہ کہو گے

ہمارے شاعر نے ناصح کی پذیرائی کس نرالے انداز سے کی ہے۔

میں تو پوجتا ہوں ناصح کسی بُت کو بُت سمجھ کر!<br>
تمھیں سابقہ پڑے گا تو اُسے خدا کہو گے!

☆☆



ہیں ترے دل کی طرح داغ مرے دامن پر<br>
دل مگر صاف ہے ناصح ترے دامن کی طرح

شاعر نے بڑے اچھے انداز سے اپنے لیے نئی راہیں نکالی ہیں:

کیا کہوں کتنا ہے غم اپنے نشیمن کا مجھے<br>
خود بکھر جاؤں نہ میں خاکِ نشیمن کی طرح

یہ مطلع باوجود اظہارِ حقیقت کے چونکا دیتا ہے:

کون رہتا ہے مکانوں میں مکینوں کی طرح<br>
آدمی شہر میں چلتے ہیں مشینوں کی طرح

درد کی ٹیس اٹھتی ہوئی دیکھئے:

کیا کروں یاد کو تیری کہ شبِ فرقت میں<br>
وجہِ تسکین بھی ہے باعثِ آزار بھی ہے

غزل کا شاعر حقیقت کو مسخر کیے بغیر نہیں رہتا:

جل گیا اپنا نشیمن مگر افسوس یہ ہے<br>
پھونکنے والوں میں اک برقِ چمن زاد بھی ہے

چند اشعار اور نقل کر کے اس گفتگو کو یہاں تک پہنچاتا ہوں:

بجلیاں ہیں یہ سب خانہ زادِ چمن     باغباں نے بنائے ہیں دار و رسن<br>
کیا کروں شکوۂ جورِ چرخِ کہن!     جب زمیں ہوگئی آسماں کی طرح

چند لمحوں کی مسرت پہ نہ اترا اے دوست<br>
وقت ہے وقت یہ میرا ہے نہ تیرا ہوگا

دیکھنے والے مری خندہ لبی یہ بھی تو دیکھ
زخم رِستے ہیں مرے سینے کے اندر کتنے

کوئی شے یوں تو دھڑکتی ہے ہر اک سینے میں
دیکھنا یہ ہے کہ دل کتنے ہیں پتھر کتنے



دل میرا داغوں سے بھرا ہے ان کا دامن پھولوں سے
فیضِ بہاراں اللہ اللہ عنواں ایک افسانے دو

سید حامد
۱۲؍ستمبر ۱۹۹۶ء



# جشن اخترؔ مسلمی اور میرے دلی تاثرات

جناب رئیس الشاکری صاحب

آ ہی گئے ہو شہرِ سخن میں جو دوستو!
ملتے چلو جو اخترِؔ رنگیں نوا ملے

چوڑے ماتھے پر معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ گذاریوں کا بیّن ثبوت، چمکتے فریم کی عینک کے صاف و شفاف شیشوں سے جھانکتی ہوئی ذہین آنکھیں، تبسّم ریز لب، گھنی اور سفید ریش دراز، بارعب لیکن شفقتوں کی علامات سے بھرپور چہرہ، علمی وقار اور سنجیدگی لیے ہوئے چال ڈھال، سرائے میر میں جہاں کہیں بھی نظر آئے، پہچان جائیے! یہی ہیں وہ جنھیں اخترؔ مسلمی کے دلکش اور خوبصورت نام سے اہلِ شہرِ سخن برسہا برس سے جانتے پہچانتے ہیں۔

اخترؔ مسلمی اور سرائے میر اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ہیں جیسے اعظم گڈھ کے ساتھ دارالمصنفین اور دارالمصنفین کے عظیم پیکر میں بلند قامت شبلیؒ اور بلند اقبال سلیمانؒ، کہ ایک دوسرے کے بغیر کسی کا بھی تصور ممکن نہیں۔ سرائے میر کا نام لیجیے اور اخترؔ مسلمی یاد نہ آئیں کیسے ہوسکتا ہے، سرائے میر کی ادبی تاریخ جب بھی مرتب

ہوگی اقبال سہیلؒ کے اس چہیتے شاگرد یعنی اقلیمِ تغزل کے شاہزادے اخترؔ مسلمی کو نظر انداز نہ کر سکے گی، قمر اعظمی سچ کہتے ہیں:

"تیس سال سے برابر ہندوستان بالخصوص مشرقی یوپی اعظم گڈھ کے مشاعروں کی جان دلوں کی دھڑکن اخترؔ مسلمی کو کون بھول سکتا ہے"

اخترؔ مسلمی سے اختلاف ممکن ہے لیکن اخترؔ مسلمی کی مذکورہ عظمت سے انکار ممکن نہیں۔ اخترؔ آپ کو پسند ہیں یا نہیں یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے اس ذاتی معاملہ میں کوئی دخیل نہیں ہوسکتا البتہ اگر اخترؔ کی شاعرانہ صلاحیت اور بالغ نظری کا انکار ہو تو بے جھجک عرض کروں گا...حضور! یہ سراسر زیادتی ہے، ایسی زیادتی جو اوروں کے لیے کم خود اردو شعر و ادب کے لیے زیاہ نقصان دہ اور تکلیف کا باعث ہے۔ اخترؔ ایسی فضا میں حق دار ہیں کہ آواز دیں:

اخترؔ مری نواؤں کو سمجھا نہیں کوئی!
ہر چند اہلِ بزم مرے ہم زباں رہے

تقریباً پندرہ سولہ سال پہلے کی بات ہے، راقم الحروف ایک مشاعرے کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا، اسی مشاعرہ میں پہلی بار حضرت اخترؔ مسلمی سے شرفِ نیاز حاصل ہوا اور حضرت اخترؔ مسلمی کے فکر و فن کے ساتھ ان کے مسحور کُن ترنم نے دل پر گہرا اثر چھوڑا، ایسا اثر جس کی لذّت میں افاقہ کے بجائے اب تک اضافہ ہی ہوتا رہا، اور ہر ملاقات نئے پہلو اجاگر کرتی رہی، آخرش جشن اخترؔ مسلمی کے سعید موقع پر ایمان لانا ہی پڑا:

اخترِؔ مسلمی کا نرالا ہے فن     ہے جداگانہ اندازِ شعر و سخن



اس کی باتیں حقیقت سے معمور ہیں     طرزِ گفتار ہے داستاں کی طرح

اخترؔ مسلمی صاحب طرز شاعر ہیں۔

بنانے والے نے اخترؔ مسلمی کو صرف شعر و ادب کی خدمت کے لیے بنایا ہے ساتھ ہی یہ کمال بھی عنایت فرمایا کہ افراط اور تفریط کی سنگلاخ وادیوں کی ہواؤں سے بھی دور کا واسطہ نہیں۔

غمِ جاناں اور غمِ دوراں کا خوبصورت امتزاج اخترؔ مسلمی کا خوش رنگ امتیاز ہے۔عصری آگہی ان کے کلام میں بھرپور نہیں تو مفقود بھی نہیں۔

سماج پر ان کی تنقید، معاشرت پر ان کا تبصرہ، حالات حاضرہ پر ان کی گفتگو دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دینے کے مُترادف ہیں۔لفظوں کی ساخت اور نشست و برخاست پر بھرپور نگاہ ان کی خصوصیت ہے۔شاید یہ اُس مقدس اصلاحی تعلیم کا اثر ہو جو مدرسۃ الاصلاح کے متبرک ہاتھوں ان کے حصّہ میں آئی۔

لطف ہی کیا حیات کا گر نہ ہو غم کا سلسلہ     ختم نہ ہو خدا کرے رنج و الم کا سلسلہ
ہائے اس رہرو برباد کی منزل اے دوست     جس نے گھبرا کے ترا نقش قدم چھوڑ دیا
ہیں ترے دل کی طرح داغ مرے دامن پر     دل مگر صاف ہے، ناصح ترے دامن کی طرح



رنگِ جدید روئے غزل سے عیاں رہے
لیکن غزل کی روح غزل میں نہاں رہے

خلوص دل کا پتہ پاؤ گے نہ چہرے سے     خراب پھل بھی تو اچھا دکھائی دیتا ہے
کیا خبر تھی سنگ دل نکلو گے تم     ہم تو اس صورت سے دھوکا کھا گئے

ان اشعار پر نگاہ کیجیے، فکروفن، زبان بیاں، وقت نگاہ، بلاغتِ نظر، تغزّل، نغمگی، سلاست اور برجستگی ہر اعتبار سے ہمارے خیالات مستند ہو جاتے ہیں۔

حسن تکلّم کے گداز ترنم کی فیّاضانہ دولت، نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ اختر ان خوش نصیب شاعروں میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جنھیں قدرت نے تکلّم کی بلندیوں کے ساتھ ساتھ حسن ترنم کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا ہے، مختصر یہ کہ اختر مسلمی اردو ادب میں اپنی جگہ بنا چکے ہیں ان کے لب و لہجہ کی انفرادیت نے ان کی شخصیت کو ایسے رنگ و روغن عطا کئے ہیں کہ وہ دور سے پہچان لیے جاتے ہیں۔

خدانخواستہ میں یہ ہرگز نہیں کہنا چاہتا کہ اختر مسلمی کی ذات اور ان کا کلام بے عیب ہے۔ بے عیب ذات خدا کی، بے عیب کلام خدا کا، اختر بشر ہیں اور بشر، بشیرت کے تقاضوں سے بے اعتناء ہو جائے یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی مگر مچھ سے بیر بھی رکھے اور دریا کی سیر کا شوق بھی کرے۔ اگر آپ چاہیں تو اور مؤدب لفظوں میں عرض کروں کہ دریا میں اترنے کے بعد دامن نہ بھیگے کیسے ممکن ہے،

زندگی کیا ہے گناہ آدم        آدمی ہوں تو گنہ گار ہوں میں

مقصود کلام یہ ہرگز نہیں کہ اختر مسلمی کی ذات بے عیب اور ان کا کلام نقص سے بالاتر ہے بلکہ میں کہنا چاہتا ہوں کہ اختر اور ان کے کلام میں کوتاہیوں اور خامیوں کے گرد و پیش خوبیوں کی وہ گھنی باڑھ ہے کہ ہر کوتاہی اور خامی چھپ کے رہ جاتی ہے۔ انسان کے عظیم ہونے کے لیے یہ بہت ہے کہ اس کی کوتاہیاں



اس کی خوبیوں میں اس طرح چھپ جائیں کہ باریک بیں نگاہوں کو بھی دیکھنے میں دقّت محسوس ہو۔

ویسے عیب ڈھونڈھنے والوں کے لیے عیب بینی کی گنجائش کوئی حیرت کی بات بھی نہیں، حالاں کہ صداقت یہی ہے:

عیب سے پاک بشر ہو تو بشر ہی کیا ہے        خوب کہتے ہیں جو اختر کو برا کہتے ہیں

مبارکباد کے قابل ہیں سرائے میر کے وہ لوگ جنھوں نے جشن اختر مسلمی کے پروگرام کو ترتیب دے کر اختر مسلمی کی عزت نہیں بڑھائی بلکہ اپنی اختر شناسی سے بڑی حد تک وہ حق ادا کر دیا جو سرائے میر والوں پر قرض تھا، اختر کی دور رس نگاہوں نے بہت پہلے اس جانب ایک بلیغ اشارہ کیا ہے:

روشنی پھیلے گی سمٹے گا اندھیرا اختر        مت بجھاؤ یہ امیدوں کا دیا رہنے دو

یہی وہ احساس ہے جس نے اختر مسلمی کے اعتماد کو چار چاند لگا دئے اور ان کی شاعرانہ عظمت اور مشفقانہ فکر و بصیرت زبانِ قلم کے سہارے بول اٹھی:

مجھ کو اک ٹوٹا ہوا شیشہ سمجھنے والو        اسی ٹوٹے ہوئے شیشے کی صدا ہو تم لوگ

اختر مسلمی بحیثیت شاعر اپنے فکر و فن پر کتنے عظیم ہیں اس کی وضاحت اور سند اربابِ فکر و فن سے طلب کیجیے، میں تو اس سعید موقع پر بڑی عقیدت کے ساتھ یہ کہنا چاہوں گا کہ اختر مسلمی شاعر ہی نہیں بلکہ بہ حیثیت انسان بھی ایک عظیم شخصیت رکھتے ہیں اور ان کے سینے میں اک ایسا دل ہے جسے دیکھ کر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے:

سارے جہاں کا درد انھیں کے جگر میں ہے

دوسطروں کی یہ تحریر اختر صاحب کے اس مقطع پر ختم کرتے ہوئے اجازت چاہوں گا:

اختر ہے کس کی چشم عنایت سے فیض یاب
اک رند بادہ نوش بھی ہے پارسا بھی ہے

رئیس الشاکری الندوی

۹؍جون۱۹۸۲ء



ماخوذ موج صبا

# اختر مسلمی صاحب کا فن
## اور اُن کی شخصیت

جناب ڈاکٹر ناطق اعظمی صاحب، سرائے میر، اعظم گڈھ

اختر مسلمی صاحب کس سنہ میں، کہاں اور کب پیدا ہوئے، انھوں نے کہاں تعلیم حاصل کی، ان کا مبلغ علم کیا ہے؟ ان کے پاس تعلیمی سلسلے کی کتنی ڈگریاں ہیں، ان سب کا پتہ لگانا ان کے سوانح نگار کا کام ہے، مجھے تو صرف ان کے فن اور شخصیت پر اپنے تاثرات کا اظہار کرنا ہے۔

فن اور شخصیت میں باہم اتنا گہرا ربط ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی فن کو شخصیت سے اور شخصیت کو فن سے جدا نہیں کیا جاسکتا، جس طرح روح پیکر کے بغیر اپنی توانائی کا مظاہرہ نہیں کرسکتی اسی طرح فن بھی شخصیت کا مرہون منت ہے۔ بغیر فن کے نہ تو شخصیت نمایاں ہوتی ہے اور نہ بغیر شخصیت فن ہی اپنی جلوہ نمائی کر سکتا ہے۔ البتہ شخصیت جتنی عظیم ہوگی فن بھی اتنا ہی عظیم ہوگا۔

تصنیف و تالیف کی تاریخ جتنی قدیم ہے اس سے کچھ ہی کم تعارف وتبصرہ

کی بھی تاریخ ہے۔ اس سلسلہ میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی تصنیف پر تعارف وتبصرہ کے لیے مصنف اپنے دور کے مستند اہل قلم اور مشہور اہل نگارش کی طرف رجوع کر کے ان کی دقیع رائے حاصل کرتا ہے، تا کہ اس کی تصنیف کی وقعت میں اضافہ ہو اور قارئین ایک وزن محسوس کریں، مگر اختر صاحب مجھے اس باب میں منفرد نظر آتے ہیں، انھوں نے اپنے مجموعۂ کلام پر تبصرہ کے لیے کسی بڑے آدمی یا عظیم شخصیت کی تلاش و جستجو نہیں کی بلکہ مجھ جیسے بے نام ونشان اور گم نام شخص کو اس خواہش کی تکمیل کا موقع دیا کہ میں بھی ان پر کچھ لکھنے کی سعادت حاصل کروں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اختر صاحب کو اپنے فن اور اپنی شخصیت پر بے پناہ اعتماد ہے، وہ ایک لنگڑے آدمی کی طرح بیساکھی کا سہارا لے کر نہیں چلنا چاہتے کہ اگر بیساکھی کو الگ کر دیا جائے تو مجبور محض ہو کر رہ جائیں، ان کے اس عمل سے ان کی بھر پور انفرادیت ابھر کر سامنے آتی ہے، جو ان کی طبیعت کے استغنا کی غمازی کرتی ہے۔

اختر صاحب نے کبھی شہرت کی فصیلوں پر کمند ڈالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ شہرت کی فصیلیں خود آکر ان کے قدموں میں گری ہیں، مگر انھوں نے اس سے بھی گریز کیا ہے، حالاں کہ بارہا ایسے مواقع ان کے ہاتھ لگے ہیں، اگر وہ چاہتے تو شہرت اور دولت دونوں حاصل کر سکتے تھے۔ صرف شہرت کے لیے انھوں نے اپنے ضمیر کا سودا کر کے نہ تو کسی کا حاشیہ بردار بننا پسند کیا اور نہ خود داری کو قربان کر کے کسی گروہ یا مدرسۂ فکر کے ہمنوا بنے، بلکہ اپنی شرافت نفس کی قندیلیں روشن کئے ہوئے مایوسیوں، محرومیوں، حق تلفیوں کی راہوں میں کبھی مسکرا کر حالات پر طنز کرتے ہوئے



کبھی آنکھیں نم کر کے گداز دل کا ثبوت دیتے ہوئے ہمت واستقلال کا پرچم لہراتے ہوئے گزرتے رہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے، یہ بات تشنگانِ شہرت پر بھی منطبق ہوتی ہے کہ وہ حصول شہرت کے لیے سب کچھ گوارا کر لیتے ہیں جو ایک عام انسان کو بھی نہیں زیب دیتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اختر صاحب کا دامنِ صد چاک اس قسم کی آلودگیوں سے ہمیشہ پاک رہا۔

اگر آپ کو کبھی اختر صاحب کے ساتھ چلنے کا اتفاق ہوگا اور آپ ایمان کے قائل ہوں گے، تو یہ محسوس کیے بغیر نہ رہیں گے، کہ

ع: مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ

غزل گوئی اگر واقعی پارسائی کی ضد نہیں ہے تو بلاشبہ اختر صاحب پارسا ہیں۔ صورتاً بھی اور سیرتاً بھی چمکتی ہوئی سفید ریش دراز، پیشانی پر سجدوں کا نشان، کوچۂ رقیب میں سر کے بل چلنے کی وجہ سے نہیں بلکہ معبود حقیقی کی بارگاہ میں پنج وقتہ جبیں رسائی کی علامت ہے، انھیں جب کبھی بھی آپ دیکھیں گے تو ان کے چہرے کی کیفیت سے بھی محسوس ہوگا کہ کوئی زاہد شب زندہ دار حصارِ خانقاہ سے نکل کر ابھی ابھی چلا آ رہا ہے۔ ان کے سراپا ان کی رفتار وگفتار سے یہ گمان بھی نہ ہوگا کہ یہ تقدس مآب شخص گیسوئے غزل کے شانہ کشوں میں بھی ہے۔

غزل اپنی ہیئت ریزہ خیالی کی وجہ سے بہت ہی آسان صنف سخن ہے مبدأ فیض نے جسے ذرا سی بھی موزونی طبع عطا کی ہے وہ آسانی سے چند شعر موزوں کر کے غزل تیار کر سکتا ہے۔ ہر قافیہ اپنے جلو میں مضامین کا ایک سیل رواں لیے ہوتا ہے، سامنے کے ہر سطحی مضمون کو شعر کے قالب میں ڈھال دینا کوئی مشکل نہیں ہے، مگر اپنے

شعور و ادراک سے کسی خیال کو ردیف و قافیہ کا پابند کیے بغیر شعر کے قالب میں ڈھالنا بحر بیکراں کو کوزے میں بند کرنے سے کم نہیں ہے۔ یہی وہ جادہ ہے جہاں نا تجربہ کار غبار راہ بن کر رہ جاتا ہے۔

اخترؔ صاحب نے گیسوئے غزل کی شانہ کشی میں ایک عمر گذاری ہے ۔ وہ صرف حریم غزل کے رازدار ہی نہیں بلکہ دوشیزۂ غزل کے ناز بردار اور اس کی عصمت کے بھی محافظ ہیں۔ غزل کی خود اپنی ایک زبان ہے، ایک مخصوص طرزِ ادا ہے، یہ وہ زبان ہے جس میں ''حسن و عشق'' باہم محو گفتگو ہوتے ہیں۔ مزاج حسن کتنا نازک اور مزاج عشق کتنا حساس ہوتا ہے؟ اس کو وہی سمجھ سکے گا جس نے بذاتِ خود اس کوچہ کی خاک چھانی ہوگی۔

اخترؔ صاحب مزاج دانِ غزل ہیں، تغزّل کی روح کے محرم ہیں، ان کے تئیں غزل ایک خاص انداز بیاں کا نام ہے۔ وہ صرف لب و رخسار، گُل و بلبل، قد و گیسو کی بات نہیں کرتے بلکہ زندگی کے تلخ اور ٹھوس حقائق کو بھی غزل میں سمونے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں، حسن و عشق کی باتیں ہوں، یا غم روزگار کا تذکرہ کہیں بھی غزل کی روح مجروح نہیں ہونے دیتے۔ ان کے یہاں نہ تو شبِ ہجر کا ذکر جنسی تشنگی کا نوحہ بنتا ہے، نہ زندگی کے مسائل انقلابی نعروں میں تبدیل ہوتے ہیں، ان کا اپنا ایک مخصوص اندازِ بیاں ہے جس میں تغزّل کی چاشنی غمِ روزگار کی تلخیوں کو بھی شیریں بنا دیتی ہے۔

اخترؔ صاحب کی شاعری ان کی زندگی کی ترجمان ہے۔ اخترؔ صاحب ہمیشہ ناسازگاریٔ حالات سے نبرد آزما رہے ہیں۔ اقتصادی اور معاشی ناآسودگی کے اندھیرے میں بھی فکر سخن کی شمعیں روشن کرتے رہے ہیں۔ در اصل غزل کا موضوع انسانی



نفسیات سے ہے، انسانی نفسیات کی تشکیل و تہذیب میں داخلیت سے کہیں زیادہ خارجی حالات و واقعات کا دخل ہوتا ہے۔ اس لیے غزل کے دامن میں تمام مسائل حیات کا آجانا غیر امکانی بات نہیں ہے، قد و گیسو کی باتیں ہوں یا جام و سبو کا تذکرہ، ان تمام علامتوں کے پسِ پردہ زندگی کے تلخ حقائق خود بول اٹھتے ہیں جنھیں شاعر اپنی فکر اور روح کے نہاں خانوں میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے، قد و گیسو کی باتیں ہوں یا جام و سبو کا تذکرہ، بہار و خزاں کے مناظر ہوں یا طبعی حادثات کی منظر کشی بزم ناؤ نوش کی رطب لسانیاں ہوں یا گرسنگی و تشنگی کے شکوے، ان سب باتوں کا تعلق انسان کی ذات اور اس کی نفسیات سے ہے۔ غزل انسانی نفسیات کی ترجمان ہے، اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ سازِ غزل کی وسعت جامِ جم سے بھی فزوں تر ہے، جس میں ہماری یہ بسیط کائنات ایک نقطہ کی طرح سمٹی ہوئی ہے۔ اب یہ کمال ہے صاحبِ فن کا کہ اس محال کو اپنی چابکدستی سے ممکن بنا دے۔ اخترؔ صاحب نے خلوت ناز میں بیٹھ کر غزل کی زبان میں صرف ہجر و وصال کی باتیں نہیں کی ہیں بلکہ زندگی کے کرب کو سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اخترؔ مسلمی صاحب کا پورا مجموعۂ کلام شاہد ہے کہ انھوں نے اس کا پورا احترام کیا ہے، جو محسوس کیا ہے اسے خلوص کے ساتھ لفظوں کا پیکر عطا کر دیا ہے، جو مشاہدہ کیا ہے اسے دیانت داری کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھال دیا ہے، حقایق کا اظہار، حالات کی سنگینی کا ادراک، حسن و عشق کی داستان، واردات و واقعات کی تشریح، عقل کے مطالبات، دل کے تقاضے، جذبات و احساسات کی ترجمانی، حسن کی عشوہ طرازیاں، عشق کی مجبوریاں، فرد کا درد، معاشرے کا کرب کیا ہے؟ اخترؔ صاحب نے

خلوت ناز میں بیٹھ کر غزل کی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے، کبھی اپنا غم معاشرے کا غم بنانے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی معاشرے کے غم کو اپنا غم بنالیتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس مجموعۂ کلام کے بے شمار اشعار میں ملے گا، اگر اچھے اشعار کی تعداد کم ہوتی تو انھیں منتخب کر کے میں بطور حوالہ ضرور پیش کرتا، دوسرے یہ کہ میں اپنی پسند کو قارئین کی رائے پر مسلّط بھی نہیں کرنا چاہتا، وہ خود فیصلہ کریں گے۔

ناطقؔ اعظمی
سرائے میر اعظم گڈھ
۹؍اپریل ۱۹۸۱ء



ماخوذ موج صبا

# اخترؔ مسلمی اور ان کی شاعری

## ان کے دوست کے آئینے میں

از جناب قمر اعظمی صاحب (کانپور)

آنکھوں میں دل پرخوں کی گلابیاں، اضطراب درد سے چہرہ کرن کرن جادو کی طرح بولتا، آبشار کی طرح بجتا، صبا کے دوش پر رنگ ونکہت کا قافلہ لیے کون آرہا ہے ''اخترؔ مسلمی''، ایک سحر آگیں شخصیت، حُسن کا ادا شناس، عشق کا رازداں، غزل کا شاہزادہ، دبستان شبلیؒ اور سہیلؒ کا رخشندہ اخترؔ، سرائے میر اور اعظم گڈھ کا بانکا آڑا، ترچھا شاعر، جو برابر ۱۹۴۵ء سے ۱۹۸۱ء تک گیسوئے غزل کو سنوارتا، سجاتا اپنی دھن میں اپنے سے بے خبر، دنیا سے بے نیاز خوب سے خوب تر کی جستجو میں چلا جارہا ہے۔

پہلا مجموعۂ کلام ''موجِ نسیم'' ۱۹۶۱ء میں چھپ کر قارئین تک آیا تھا، اور اب بیس سال بعد ۱۹۸۱ء میں دوسرا مجموعۂ کلام ''موجِ صبا'' طباعت کی منزل سے گذر کر ادب اور شعر کے قاری اور ناقد کے لیے ایک سوالیہ نشان بن کر کھڑا ہے۔ پہلا مجموعۂ کلام اگر سحر رواں تھا تو دوسرا مجموعۂ کلام ایک حسین گلدستہ، جس کا ہر پھول حسن نظر اور ذوق شامہ کی لذّت کا سامان لیے ہوئے ہے۔

روشن جمال یار سے ہے انجمن تمام    دہکا ہوا ہے آتشِ گُل سے چمن تمام

اختر مسلمی نے شہرت، سیاست کی ہر گرد سے بالاتر ہو کر اپنے اس دوسرے مجموعۂ کلام ''موج صبا'' پر مجھے کچھ لکھنے کا حکم دیا ہے، اس کے پیچھے ان کی محبت اور خلوص کا (جو ان کی طبیعت ہے) جذبہ ہے، میں صرف ان کے پڑھنے کے وقت کا ساتھی اور ان کا اب تک کا دوست ہوں ۱۹۵۵ء سے اب تک میرے اوپر غیر علمی، غیر ادبی سرگرمیوں کی اتنی تہ بہ تہ گرد ہے کہ میں خود اپنا چہرہ نہیں پہچان سکتا، میں نہیں جانتا کہ شعر کیا ہے؟ غزل کسے کہتے ہیں؟ ادب کیا ہوتا ہے؟ ایک ایسے شخص سے لکھنے اور اظہارِ خیال کی کوئی بات دنیا کے نزدیک بے وقت کی راگنی، اختر کے نزدیک دوستی کی معراج، میرے نزدیک اختر کا بڑکپن اور ان کے بڑے فنکار ہونے کی روشن دلیل ہے۔

اختر مسلمی غزل کے شاعر ہیں، غزل کیا ہے؟ اخفاء کا فن ہے یا اظہار کا اصل ''جذبہ'' اور مواد ہیں، یا اس کی مزماریت اور موسیقیت؟ غزل کا لہجہ خصوصی ہے یا عامی یہ صرف بیان واقعہ ہے یا رموز و علائم کی مخصوص زبان میں اشاراتی گفتگو؟ یہ صرف الفاظ کی ترتیب کے ذریعہ خیال کا اظہار ہے یا ایک نفسی آئینہ جس میں نہ صرف شاعر کا ''شعور''، ''لاشعور'' بلکہ عصری آگہی کا عکس بھی جھلکتا ہے؟ یہ صرف واردات حسن و عشق ہے یا انکشافِ ذات اور فرد و کائنات کے درمیان نئے رشتوں کی تلاش؟ میں نہ ادیب نہ ناقد اس پر گفتگو کروں بھی تو بے محل، اختر شاعر ہیں تو کتنے بڑے شاعر ہیں، ان کی شاعری صف اوّل کی شاعری ہے یا وقت کی چلتی ہوئی پروائی؟ مجموعۂ کلام سامنے ہے وقت کا قاری، مستقبل کا ناقد خود فیصلہ کرے گا، میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اختر شاعر



ہیں اور میرے دوست، اعظم گڈھ، سرائے میر کی جب بھی ادبی تاریخ لکھی جائے گی تو شبلیؒ اور سہیلؒ کا جو سلسلہ ہے اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی اختر ہوں گے۔

تیس سال سے برابر ہندوستان بالخصوص مشرقی یوپی اعظم گڈھ، جون پور (شیرازِ ہند) کے مشاعروں کی جان، دلوں کی دھڑکن، اختر مسلمی کو کون بھول سکتا ہے۔

اختر مسلمی اپنے پہلے مجموعۂ کلام ''موج نسیم'' کے آئینہ میں ایک ایسے شاعر اور فنکار بن کر آئے ہیں جو ماضی کی تمام صالح روایتوں کو اپنے کاندھے پر اٹھائے ہے لیکن اپنے لہجے اور اسلوب کی انفرادیت سے الگ تھلگ بھی کھڑا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد انسانی ذہن جن تلخیوں سے گذرا ہے اختر کے یہاں اس کے متعلق بھی غزل کے خاص لہجے میں اشارے ملتے ہیں، لیکن بنیادی طور سے وہ دل اور معاملات دل کی زیادہ باتیں کرتے ہیں، لیکن پورے مجموعۂ کلام کے مطالعہ کے بعد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ کہیں ان کا فن، ان کا قلم ان حدوں کو نہیں چھوتا جہاں سے غزل کی فاسقانہ روایتیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ اس ''فیضان تجلّی'' کا ادنیٰ کرشمہ ہے جو اس خطّۂ اعظم گڈھ پر رہا ہے، نام نہاد ترقی پسندی کے بعد ماضی قریب میں ایک نئے طرز احساس کی بدولت اردو شاعری خاص طور سے غزل ایک نئے رنگ و آہنگ سے آشنا ہوئی، پرانی قدروں اور روایتوں کا منظر نامہ بدلنے لگا، نئی علامتیں، نئے استعارے ابھرے اور یہ سچ ہے کہ ''ادب'' اور ''حلقہ ادب'' نے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا مگر اسے کیا کہیے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ''لفظیات'' کی بازی گری سے ایک ایسی ''غزل'' سامنے آئی جو اتارا ہوا لباس لگتی ہے، بے جان، بے کیف۔

اختر مسلمی کا یہ دوسرا مجموعۂ کلام ''موجِ صبا'' پتہ دیتا ہے کہ اختر کے یہاں

بھی تبدیلیاں آئی ہیں، لیکن اختر نے اپنے لہجہ اور اسلوب کو اپنی فکر سے علیحدہ رکھنے کے بجائے اس کے صحیح امتزاج پر نظر گاڑ کے رکھی ہے اور اپنے فن کے شیر خالص میں فکر کی شکر کو اس طرح گھولا ہے کہ نہیں کہا جاسکتا کہ کہاں فن کا پیمانہ ہے اور کہاں فکر کی صہبا، صرف ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

وقت کی معیت میں پتّھروں کا لشکر ہے — کون ایسی آفت میں آئینہ بنائے گا

فکروفن کی بات چلی ہے تو یہ تذکرہ نا مناسب نہ ہوگا کہ ادھر ماضی قریب میں اختر کا فن کہیں کہیں ''اعجاز'' کی سرحد میں داخل ہوگیا ہے، جب وہ غزل کی غزل روایت کے پورے احترام والتزام کے بعد بھی نثر بلیغ میں کہتے جاتے ہیں۔

دوسری مقدّس تبدیلی جو ان کے چہرے سے لے کر شعروں کی قامت تک ہے جسے آپ اختر کے نا آسودہ حالات کی دین کہیں یا عمر کا تقاضا، لیکن میں تو اسے اس ''خرابہ'' (مدرسۃ الاصلاح) سرائے میر اعظم گڈھ کی دین کہوں گا جہاں اختر نے مسلسل کئی برس خاک اُڑائی ہے، جہاں انسان کو چاہے کچھ نہ ملتا ہو لیکن وہ ضرور ملتا ہے جو اس دنیا کے صالح ادب کے محرک اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، یعنی قرآن مجید جسے پا کر اور سن کر لبید جیسے بڑے شاعر نے شعر گوئی ترک کردی تھی، اختر فرماتے ہیں۔

مصلحت کیا ہے مصائب میں مشیت جانے
بندگی کا تو تقاضا ہے کہ رحمت جانے

اور شاید اسی شدید احساس نے ان کو اپنے اس مجموعۂ کلام میں حمد ومناجات شامل کرنے پر مجبور کردیا ہے۔



بات ختم کرتے کرتے اختر کا ایک مصرعہ برابر دستک دے رہا ہے۔

ع پردۂ تبسّم میں تلخیاں دبی رکھنا

پڑھ کر ایک سوال، مگر کس سے پوچھوں؟ اختر جو اوائل عمر سے مسلسل غیر منقطع ادب فن اور صالح قدروں کی خدمت کرتے چلے جارہے ہیں، دنیا نے اس کے سوا (مشاعروں کی واہ واہ چھوڑ کر) انھیں اور کیا دیا ہے، کہنے دیجیے، جراحتوں کے چمن، زخموں کے چراغ، کرب، بھوک، افلاس، آگے غالب کی بات۔

ع دیکھ کر طرز تپاک اہل دنیا جل گیا

قمر اعظمی
یکم اپریل ۱۹۸۱ء

ماخوذ موج صبا

# اخترؔ مسلمی، میری نظر میں

از جناب راشد اعظمی صاحب، سرائے میر، اعظم گڈھ

اگر کلام میں صدق کا جوہر اساسی اہمیت کا حامل ہے تو یقیناً دنیائے ادب میں اخترؔ مسلمی کے کلام کا ایک مخصوص مقام ہے، اس لیے ان کے احساس وشعور اور فکر وعمل میں وہ یکسانیت پائی جاتی ہے جو سچائی کا لازمی نتیجہ ہے۔ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ اس لیے کہی جاسکتی ہے کہ ان کا ابتدائی کلام ایک ایسی زندگی کا عکاس ہے جو صہبائے شباب کے نشہ سے مدہوش ہو، ایسی مدہوشی جس میں پھول اور پتھر دوست اور دشمن، راحت اور تکلیف، صواب و ناصواب میں تمیز نہیں ہوا کرتی، وہ سرمستی شباب ہی تھی جو انھیں افسانۂ انجمن بناتی رہی اور وہ گرد وپیش سے بے پروا اپنی جولانی طبع کے جوہر دکھاتے رہے، اس دور میں غیروں نے ان پر پھبتیاں بھی کسیں اور اپنوں نے مخلصانہ مشورے بھی دیے لیکن انھوں نے اپنی واردات و کیفیات کے اظہار میں کبھی بھی الفاظ کی بازی گری سے پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی، صرف اس لیے کہ ان کی فطرت سچائی کی دلدادہ تھی۔

اخترؔ صاحب جب عمر کے اس مرحلہ میں پہنچے جہاں جوئے حیات عہد شباب



کے نشیب وفراز سے گزر کر تلاش وجستجو کی وادی میں داخل ہوتی ہے تو ہمیں ان کے کلام میں غور وفکر کا ٹھہراؤ اور تلاش وجستجو کی تگ ودَو نظر آتی ہے، لیکن ان کے ذوقِ طلب اور فکر رسا نے بہت جلد تذبذب اور تامل کی اس سنگلاخ وادی سے نکال کر وہاں پہنچادیا جہاں انھیں زندگی کی وہ صراطِ مستقیم نظر آئی جسے ان کی فطرت سلیم ڈھونڈ رہی تھی، یہی وہ مقام ہے جہاں سے اخترؔ مسلمی نے اپنا اور اپنے گرد وپیش کا ازسرِ نو جائزہ لیا ہے اور ان کی شاعری زندگی کے رنگارنگ پہلوؤں کی ترجمان بنتی ہے۔

اخترؔ صاحب کی شاعری بنیادی طور پر عشق ومحبت کی واردات و کیفیات کی ترجمان ہے۔ وہ اپنے آئینۂ کلام میں کہیں زلف مجاز کے زیر سایہ آنکھ مچولی کرتے دکھائی دیتے ہیں تو کہیں نور حقیقت کی جلوہ سامانیوں سے حیران وششدر نظر آتے ہیں، لیکن ان کے ذوقِ طلب کی اس اختلافی کیفیت کے پیچھے تلوّن مزاجی کی کارفرمائی نہیں ہے بلکہ فی الواقعہ یہ ان کی طلب وجستجو کا تدریجی سفر ہے۔

میرے لیے تو سہل تر ہوگئی حق کی معرفت
زینۂ معرفت بنا عشق صنم کا سلسلہ
(اخترؔ مسلمی)

وہ محبت ہی کا فقدان ہے جس نے چمن زارِ انسانیت کو آتش کدہ بنا رکھا ہے۔ محبت جب انسانی فکر وعمل میں روح بن کر سرایت کرتی ہے تو دنیائے انسانیت میں نسیم امن کے سکوں بخش جھونکے چلتے ہیں اور لطف وعنایت کے حسین گلاب کھلتے ہیں۔ موج نسیم ہو، یا نکہت گل، داد وصلہ سے بے پروا اپنے ماحول پر مسلسل محبت پاشیاں کر رہے ہیں، مکتب فطرت کی یہی تعلیم اخترؔ صاحب نے اپنی دنیا کو دی ہے۔

محبت منزلِ انسانیت ہے
محبت کی کوئی منزل نہیں ہے

محبت کا دامنِ لطف کاکل ورخسار اور گُل و بلبل ہی کی دنیا تک محدود نہیں ہے، ماں کی ممتا، باپ کی شفقت، استاد کی دلسوزی اور رہنما کی جانکاہی محبت کے شجر سایہ دار ہی کی مختلف شاخوں کے سائے ہیں جس میں کشت انسانیت اپنے برگ و بار لاتی ہے۔ اسی لیے ہر وہ زندگی جو محبت کے محور پر گھومتی ہے اپنے ہر روپ میں لطف و کرم کا ابر گہر بار دکھائی دیتی ہے۔

معاشرے کا ہر فرد اپنے دائرۂ عمل میں گوناگوں فرائض کا حامل ہوتا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کے لیے انسانی فطرت اسے مہمیز کرتی رہتی ہے، شاعر بھی معاشرے کا ایک فرد ہوتا ہے اور سماج کے ایک رکن کی حیثیت سے وہ بھی اپنے فرائض کو محسوس کرتا ہے، شاعر کا یہی احساس اس کے فکر وشعور کی روح بن کر اشعار کے پیکر میں ظاہر ہوتا ہے۔

اخترؔ صاحب کے فکر ونظر کے سوتے چوں کہ محبت کے چشمے سے پھوٹے ہیں ان کے احساس پر اس کی چھاپ اتنی گہری ہے کہ ان کی ذات خود محبت کا مجسم پیکر اور ان کی شاعری محبت کا مرقع زرنگار بن گئی ہے، ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خوشی ہی شرط نہیں لطفِ زندگی کے لیے    متاعِ غم بھی ضروری ہے آدمی کے لیے

☆

لطف ہی کیا حیات کا گر نہ ہو غم کا سلسلہ    ختم نہ ہو خدا کرے رنج و الم کا سلسلہ

☆

ہائے اس رہروِ برباد کی منزل اے دوست    جس نے گھبرا کے ترا نقشِ قدم چھوڑ دیا



زمانہ تیرے لیے بے قرار ہوجائے    تو دوسروں کے لیے بے قرار ہو تو سہی

☆

راس آئے تو کرم ہے نہ راس آئے تو ستم    کہتے ہیں جس کو عشق جزا بھی سزا بھی ہے

☆

جب ہر اک شمع تمناؤں کی بجھ جائے گی    تب کہیں جاکے شبِ غم کا سویرا ہوگا

☆

اخترؔ زباں سے بھی نہ کرو اس سے عرض حال    چہرے سے جو سمجھ نہ سکے دل کی کیفیات

☆

ہیں ترے دل کی طرح داغ مرے دامن پر    دل مگر صاف ہے ناصح ترے دامن کی طرح

☆

چونکے جو ہم تو جائزۂ دو جہاں لیا    غافل ہوئے تو اپنی خبر کو ترس گئے

☆

انساں کے دل کا حال بھی کتنا عجیب ہے    مانے تو ایک بات نہ مانے تو لاکھ بات

☆

اک بار ان کو پانے کی دل میں تھی آرزو    سو بار اپنے آپ کو کھونا پڑا مجھے

☆

برباد ہوگیا ہوں مگر مطمئن ہے دل    شرمندۂ کرم تو نہ ہونا پڑا مجھے

☆

ہے اس کے در کی بات الگ ورنہ دوستو    لاکھ آستاں ہیں جو مرے سر کو ترس گئے

☆

چہرے کی ہر شکن میں ہے تحریر شرحِ غم  کیا پوچھتے ہو حال مرا دیکھتے نہیں

☆

کچھ اس طرح سے مٹا میرے دل سے غیر کا نقش  کہ اب تو غیر بھی اپنا دکھائی دیتا ہے

☆

نشانِ راہ اندھیروں میں گُم نہ ہوجائے  بڑھے چلو ابھی رستہ دکھائی دیتا ہے

☆

مصلحت کیا ہے مصائب میں مشیّت جانے  بندگی کا تو تقاضا ہے کہ رحمت جانے

☆

برس پڑیں گی گھٹائیں امنڈ کے رحمت کی  تو سر جھکا کے ذرا اشکبار ہو تو سہی

☆

یہ اور اسی طرح کے بہت سے اشعار اختؔر مسلمی کی عفت نظر اور پاکیزگی خیال کے آئینہ دار ہیں، خیال وفکر کی ان رفعتوں تک اختر صاحب کوچۂ مجاز سے گزر کر پہنچے ہیں، اس لیے اگر ان کے دامانِ شاعری پر کہیں کہیں اس کوچے کی گرد دکھائی دیتی ہے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ جوہر لطیف اپنی جلوہ نمائی کے لیے کسی نہ کسی پردۂ کثیف کا مرہونِ منت ہوا کرتا ہے۔

بقول غالبؔ

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا

راشدؔ اعظمی، سرائے میر اعظم گڈھ

۲۱/مارچ ۱۹۸۱ء



ماخوذ موج نسیم

## پیش لفظ

از جناب مولانا شاہ معین الدین صاحب ندوی
مدیر معارف و ناظم دار المصنفین اعظم گڈھ

نئی نسل میں شاعروں کی بڑی بہتات ہے مگر ان میں بہت کم ایسے ہیں جو شعر گوئی کا صحیح ذوق اور سلیقہ رکھتے ہیں، اُن مستثنیات میں ایک اختؔر مسلمی صاحب بھی ہیں۔ ان کا کلام ان کی زبان سے بھی سننے کا اتفاق ہوا ہے اور ان کی متفرق غزلیں بھی نظر سے گزریں، اس سے اندازہ ہوا کہ وہ تغزل کے مزاج شناس ہیں، اور اس کا ستھرا مذاق رکھتے ہیں، ان کے کلام میں تخیل کی پاکیزگی و لطافت زبان و بیان کی صحت و سلاست اور تغزل کی تمام ظاہری ومعنوی خوبیاں موجود ہیں۔

اگر ان کی مشق جاری رہی تو آگے چل کر وہ نوجوان شعراء میں ایک ممتاز مقام حاصل کریں گے۔

معین الدّین احمد

۴/دسمبر ۱۹۶۱ء

ماخوذ موجِ نسیم

# اظہارِ خیال

ازفخرِ مشرق علاّمہ شفیق صاحب جونپوری

اخترؔ مسلمی صاحب سے مجھے ہمیشہ یہ توقع تھی کہ وہ مستقبل میں ایک ممتاز شاعر کی حیثیت سے متعارف ہوں گے، بحمد اللہ وہ وقت آ گیا، موصوف اپنا مجموعۂ کلام شائع فرمارہے ہیں، جس سے ہماری توقع پوری ہو رہی ہے، اور اربابِ ذوق ان کی خوش گوئی کے معترف ہوں گے۔

اخترؔ مسلمی صاحب کے کلام میں کشش ہے جو خود ہی ناظرین کو ان کی طرف متوجہ کرلے گی، اخترؔ صاحب اپنے حلقہ میں بڑی حد تک رونما ہو چکے ہیں، لیکن ابھی ان کو ان کا پورا حق نہیں ملا ہے، یہ مجموعہ بتا دے گا کہ موصوف کس قدردانی کے مستحق ہیں۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

شفیق جونپوری غفرلہ الوی

۱۹؍نومبر ۱۹۶۱ء مطابق ۱۰؍جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ



ماخوذ موجِ نسیم

# مقدّمہ

پروفیسر ملک زادہ منظور احمد صاحب

میں غزل کو نہ صرف ایک روایت بلکہ ایک تہذیب اور ایک معاشرت کا تسلسل سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اُس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی ایمائیت ہے، دراصل وہی شعر تغزل کی جان ہوتا ہے جس میں یہ ایمائی قوت اس انداز سے سمودی گئی ہو کہ وہ ہمارے وجدان کے ساتھ ساتھ ہمارے دماغ کو بھی متاثر کر سکے۔ غزل گو شاعر خارجی حالات سے بے نیاز تو نہیں رہ سکتا مگر وہ غزل کے رموز و علائم سے کام لے کر اپنے محسوسات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اُس کے اشعار کے زیر و بم میں نبضِ کائنات کی دھڑکنیں سُنائی دینے لگتی ہیں بادہ و ساغر کے پردے میں مشاہدۂ حق کی گفتگو کرنا اور آرائشِ خمِ کاکل میں اندیشہ ہائے دور و دراز کا احساس دلانا ہمیشہ سے اچھے شعراء کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور انھوں نے اپنے عہد کی حقیقتوں کو اشعار کے پیمانے میں اس طرح ڈھالا ہے کہ وہ ہر دور کی حقیقتیں بن گئی ہیں۔ رشید احمد صدیقی کا یہ ادعا اپنی جگہ پر بالکل درست ہے کہ غزل کی فضا اس قدر مقطر ہو چکی ہے کہ اس میں مزید کشید کی گنجائش باقی نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ذہین اور باشعور شاعر روایتی اور

مقبول عام گلّیوں پر قائم رہتے ہوئے بھی جدید میلانات سے ہم آہنگ نظر آتا ہے اور غزل کے امکانات کو حتی المقدور وسیع تر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اخترؔ مسلمی کو میں اعظم گڈھ کے غزل گو شعراء کی اسی صف میں شامل کرتا ہوں جو قدیم بنیادوں پر قائم رہتے ہوئے بھی جدید میلانات کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں اور تغزل کے پیمانے میں وارداتِ قلب کے ساتھ ساتھ روح عصر کو بھی عریاں کرتے ہیں۔

اعظم گڈھ کے شعراء کی اس پرانی نسل کا خاتمہ جس کی شاعری بصائر و تامّلات کی شاعری رہی ہے، علّامہ اقبال سہیلؔ اور مرزا احسان احمد بیگ پر ہوتا ہے لیکن اُن لوگوں کے بعد بھی یہاں کی ادبی فضا میں زندگی اور توانائی کے آثار پائے جاتے ہیں، اور کچھ ایسی شخصیتیں ابھرتی ہیں جن کے اندر فکر وفن کے وہ تمام عناصر پائے جاتے ہیں جو کسی فن کار کی ابدیت کے ضامن بن سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں اخترؔ مسلمی کا نام کافی نمایاں ہے۔ اُن کی غزلیں اپنے تغزّل وترنم، اپنی والہانہ ربودگی اور اپنے غنائی آہنگ کی بناء پر ہمارے لیے باعثِ فخر ہیں۔ انھوں نے اپنے کلام میں اگر ایک طرف گیسوئے دوست کو سنوارا ہے اور حُسن کی تزئین کے فرائض انجام دیے ہیں تو دوسری طرف انھوں نے خارجی محرکات کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور حالاتِ حاضرہ اور زندگی کے دوسرے مسائل سے چشم پوشی نہیں کی ہے۔ اُن کی غزلوں میں تازگی وتوانائی، تاثیر وشعریت کے ساتھ ساتھ حوادثاتِ زمانہ کے ہلکے ہلکے انعکاسات بھی نظر آتے ہیں اور وہ کلاسیکی روایات کی روشنی میں آج کی زندگی کی طرف اپنا ہمہ گیر نقطۂ نظر منضبط کرتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر وارداتِ قلب اور معاملاتِ عشق کے شاعر ہیں، شاعری اُن کے نزدیک دل کا معاملہ ہے، حسن وعشق ناز ونیاز، ہجر و وصال، شوق و انتظار اُن کے محبوب موضوعات ہیں۔ لیکن اُن کو وہ اتنے لطیف اور کیف پرور



انداز میں بیان کرتے ہیں کہ حسن وعشق کی ہم آہنگی میں زندگی کے جو سہارے اور تعمیری پہلو مضمر ہیں، وہ واضح ہوجاتے ہیں، اور اُن کا کلام سماجی خیر وبرکت کا ایک نیک شگون بن جاتا ہے۔ اُن کی غزلوں میں تجربے کی صداقت اور ہنرمندانہ سادگی کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ ان کا دل ایک چوٹ کھایا ہوا دل ہے کسی کی نگہِ مختصر کا سہارا پاکر وہ شاعر بنے ہیں اور یہی تجربہ ان کی داخلی زندگی میں جذب ہوکر عشقیہ جذبات کا ایک بڑا لطیف مرکب بن گیا ہے، اسی لیے میرا یہ اعتماد ہے کہ جب تک عاشقانہ جذبات انسان کی رگ وپے میں موجود ہیں اور ان کا اظہارِ تہذیب وشائستگی کے دائرے میں قابلِ قبول ہے اس وقت تک اخترؔ مسلمی کی غزلیں نہ صرف زندہ رہیں گی بلکہ پسند کی جائیں گی۔

چند اشعار ملاحظہ ہو:

ان کی زلفیں ہی نہ سلجھیں اور ہم    داستانِ زندگی دہرا گئے

☆

ہجومِ غم میں نکل آئی ہے جو آہ کبھی    تو کی ہے بے اثری کی بھی پھر دعا میں نے
جلا کے دل میں تری شمعِ آرزو اے دوست    ہر اک چراغِ تمنا بجھا دیا میں نے

☆

روشنی ہونے لگی دل کے قریب    شاید آ پہنچے ہیں منزل کے قریب
کچھ نہ تھا منظور جز ذوقِ طلب    لوٹ آئے جا کے منزل کے قریب

☆

احساس دل کو ہوتا ہے اک انس خاص کا    ملتے ہیں لوگ جب کبھی اُن کے دیار کے

☆

تصویرِ وفا بن کے مرا نقش ہے دل میں    یوں لب پہ کسی کے مرا نام آئے نہ آئے

اخترؔ اگر آباد رہے گُل کدۂ دل — پھر اس میں تو کچھ مست خرام آتے رہیں گے

☆

سکوں ملے گا بھلا بوئے زلفِ یار سے کیا — ابھی یہیں سے وہ خود بے قرار گذری ہے

☆☆☆

ہائے رے اُن کی نگاہِ خشمگیں — آرزوؤں کو پسینہ آگیا

☆

کسی پہ گل کی بارشیں کسی کو خار وخس ملے — یہ باغباں کا ظرف ہے چمن چمن کی بات ہے
کسی کو خم کی خم ملی کوئی ترس کے رہ گیا — ہٹاؤ جانے دو تمھاری انجمن کی بات ہے
جو بوالہوس ہیں اُن کو تم وفا پرست کہتے ہو — چلو یہی سہی تمھارے حسنِ ظن کی بات ہے

☆

اخترؔ اب آپ کر چکے دیر و حرم میں جستجو — منزلِ عشق کا نشاں دار و رسن سے پوچھیے

☆

مجھے بے انتہا مسرّت ہے کہ اُن کا مجموعۂ کلام شائع ہو رہا ہے اُن کے اندر وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو کسی شاعر کو ابدیت بخش دیتی ہیں، ایک چوٹ کھایا ہوا دل، دل کے اندر نیکی وشرافت کے جوہر اور وہ تہذیب اور کلچر بھی اُن کے یہاں پایا جاتا ہے، جن سے عشقیہ شاعری کی آبیاری ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں گے اور اپنے ادبی وشعری مشاغل کو سنجیدگی کے ساتھ جاری رکھیں گے۔

**ملک زادہ منظور احمد**

۱۹۶۱/۱۲/۴



ماخوذ موجِ نسیم

# اظہارِ حقیقت

از حضرت عارف عبّاسی صاحب تلمیذ حضرت جگرؔ مرحوم

دس برس کا زمانہ گزرا جب میں حضرت علامہ سہیلؔ مرحوم کے دولت کدہ پر نذرانۂ اخلاص وعقیدت پیش کرنے کے لیے پہلی بار حاضر ہوا تو میری ملاقات ایک جواں سال اور خوش گو شاعر سے ہوئی۔ ابتدائے عمر ہی میں کلام کے آہنگ اور کشش نے مجھے بے ساختہ اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

''وہ جواں سال و جواں فکر شاعر اخترؔ مسلمی تھے''

بار بار کی ملاقات نے میری اس خوش فہمی کو یقین میں تبدیل کر دیا کہ شاعر کی اگر صحیح تربیت ہوئی اور مشق سخن جاری رہی تو خاک اعظم گڈھ کی مردم خیزی میں ایک ایسے خوش فکر شاعر کا اضافہ ہوگا جس کے کلام کا صحیح مذاق اور آہنگ اہلِ نظر سے خراجِ تحسین وصول کرے گا۔

آج جب میں نے یہ سنا کہ ان کے مجموعۂ کلام کی ترتیب واشاعت کا کام مکمل ہو رہا ہے تو میں اس خیال سے مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ میرا قیاس غلط نہیں تھا اور جناب اخترؔ مسلمی اپنی جملہ صلاحیتوں کے ساتھ منظر عام پر آرہے ہیں۔

غزل کی فطری نزاکتوں اور لطافتوں کے ساتھ ساتھ صرف الفاظ و مضامین کی بلندی ، خارجی اور داخلی کیفیات کا صحیح اظہار ہر شاعر کے بس کی بات نہیں ، مگر جناب اخترؔ مسلمی یہاں بھی اپنی انفرادیت کو نمایاں کئے ہوئے ہیں، حضرت علامہ سہیلؔ مرحوم نے خاکِ اعظم گڈھ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

ع

جو ذرّہ یہاں سے اُٹھتا ہے وہ نیّرِ اعظم ہوتا ہے

جناب اخترؔ مسلمی کا معیارِ فکر اس مصرعہ کے ہر حرف کی تصدیق کر رہا ہے ۔

دُعا گو

عارف عبّاسی



ماخوذ موجِ نسیم

## تبصرہ و تعارف

از: محشر اعظمی صاحب ، سابق ایڈیٹر ، اخبار انسان و عمل ، آئینہ، ساحل ، اپنی آواز

اس نئے دور میں جو ہندوستان میں ۱۹۴۷ء کے بعد آیا ہے جو نوجوان شعراء نئی امنگ اور نئے حوصلے لے کر ہمارے سامنے آئے ہیں ان کی فہرست میں اخترؔ مسلمی کا نام بہت نمایاں طور پر نظر آرہا ہے ۔

اخترؔ مسلمی ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤں مسلم پٹی کے رہنے والے ہیں، انھوں نے مدرسۃ الاصلاح جیسے مخزنِ علم و ادب سے فیض حاصل کیا ہے اور انھیں علامہ اقبال سہیلؔ مرحوم جیسے ماہرِ فن اور قادر الکلام شاعر سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ یہ ابھی نوجوان ہیں لیکن ان کی شاعری اس بات کی آئینہ دار ہے کہ کم عمری ہی میں انھوں نے زندگی کے زیادہ سے زیادہ تجربات کئے ہیں اور زبان و بیان اور خیالات کی بلندی وہمہ گیری کے اعتبار سے اخترؔ مسلمی ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں ۔

اخترؔ مسلمی نہ قدامت پرست ہیں نہ ترقی پسند، ان کے اپنے مذاقِ سلیم نے جہاں بھی کوئی اچھائی دیکھی اپنا لی۔ نہ اُن کے یہاں قدامت پرستوں کی کٹر روایت پرستی ہے، نہ ترقی پسندوں کا محض سیاسی پروپیگنڈا اور پھر دونوں کی خوبیاں بھی انھوں

نے اپنے اندر جمع کر رکھی ہیں۔

شاعری اگر کسی مخصوص تحریک کا آلہ کار بن جائے یا صرف شاعری ہی کی حدود میں رقص کرتی رہے تو یہ شاعری پر ایک بڑا ظلم ہے۔ اختر مسلمی نے شاعری پر اس قسم کا ظلم جائز نہیں رکھا ہے۔ ان کے کلام میں صبح کا حسین سماں ہے جہاں سے نور و ظلمت الگ ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حقیقت پر پڑا ہوا پردہ دھیرے دھیرے اُٹھ رہا ہے۔

اختر مُسکرانا بھی جانتے ہیں اور رونا بھی، لیکن اُن کی مُسکراہٹ میں ایک طنز کی بجلی ہے جو چمک کر سماج پر چھائی ہوئی تاریکیوں کا کلیجہ چھلنی کر ڈالتی ہے اور اُن کے آنسو زندگی سے فرار کی علامت نہیں بلکہ وہ امیدوں کی چنگاریاں ہیں۔

یہ خونِ دل یہ نخلِ تمنّا یہ دشتِ شوق     ہم جی رہے ہیں دِل میں اُمّیدِ ثمر لیے

☆

چھپاتی رہیں رازِ غم زندگی بھر     مری آہیں نغموں کے سانچے میں ڈھل کے

اختر مسلمی کا حوصلہ بہت بلند ہے، ان کے خیالات میں بڑی توانائی ہے، وہ طوفانوں کا مقابلہ کرنے میں ذی ہمت ہیں، رنج، مصیبت، چوٹ، زخم، درد اور وقت کی ٹھوکریں کھانے کے لیے تیار ہیں، انھوں نے دل شکن اور صبر آزما موقعوں پر بڑی پامردی کا ثبوت دیا ہے۔

رہے ذوقِ غم سلامت کہ اب آرزو ہے اختر     کوئی بجلیاں گرائے میں بناؤں آشیانہ

اختر مسلمی کے نزدیک دل کا زندہ رہنا ہی زندگی کی علامت ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دل کے مردہ ہونے کے بعد پوری کائنات ہی مردہ اور بے جان نظر آنے لگتی ہے۔ ہر ایک انسان کے لیے اس کے دل کی حیات و موت ہی کائنات کی



موت و حیات کے مترادف ہے، اختر مسلمی نے کتنے اچھے اور حسین پیرایے میں دل کی اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

دل زندہ اگر ہو تو پھرائے زیست کے طالب     ہر گام پہ جینے کے پیام آتے رہیں گے

اختر مسلمی کے سینے میں ایک حساس اور بیدار دل ہے انھوں نے وقت کے حوادث و انقلاب کا مطالعہ گہری فکر و نظر سے کیا ہے اور اس مطالعہ کا نچوڑ بڑا سبق آموز ہے، آزادی کے بعد ہمارے ملک میں عصبیت اور تنگ نظری کی جو عام وبا پھیلی، اختر مسلمی نے اس تلخ حقیقت کا اظہار کس خوبی سے کیا ہے:

کسی پہ گُل کی بارشیں کسی کو خار و خس ملے
یہ باغباں کا ظرف ہے چمن چمن کی بات ہے

اختر مسلمی شدّت جذبات میں بھی آپے سے باہر نہیں ہوتے ان کا ظرف اتنا چھوٹا اور کمزور نہیں کہ ہلکی سی ٹھوکر بھی نہ سہہ سکے اور ذرا سی آنچ میں چٹک جائے۔ چوٹ، زخم، انقلاب کی سختیاں حوادث کی زیادتیاں، دوستوں کی نا مہربانیاں اور اپنوں کی نا انصافیاں سب کچھ گوارا کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں گمبھیرتا اور متانت ہے وہ دوستوں کی شکایت نہیں کرتے بلکہ صرف اپنی گذری ہوئی تاریخ کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں، شکایت کرنے اور کسی کو اس کی غلطیوں کا احساس دلانے کا اس سے زیادہ مہذب اور شاعرانہ طریقہ کیا ہوسکتا ہے۔

کر گئیں سرخرو اسے کس کے لہو کی سرخیاں     یاد نہ ہو جو آپ کو خاکِ وطن سے پوچھیے

اختر مسلمی نے ہر موڑ پر بڑی چابکدستی اور ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی زبان میں نرمی، گھلاوٹ اور رسیلا پن ہے ان کے بیان میں جدت حسن اور حلاوت

ہے۔ اخترؔ مسلمی زبان و بیان دونوں کے لحاظ سے نیا ذہن اور نئی امنگ لے کر پیدا ہوئے ہیں مگر ان کے خیالات میں تعمیر ہی کی جھلکیاں ہیں۔

کردیئے سارے ستم چرخِ کہن سے منسوب — مجھ سے دیکھا نہ گیا ان کا پشیماں ہونا

اخترؔ مسلمی نے غزل کو عشق و محبت ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کا دامن کائنات اور مسائل کائنات تک پھیلا دیا ہے اور پھر تغزّل کی روایتی شان کو بھی پوری طرح برقرار رکھا ہے۔

اخترؔ مسلمی کا محبوب مجازی ہے اور اسی فضا میں سانس لے رہا ہے، اس لیے انھوں نے اس ماحول کی باتیں کی ہیں اور اس انداز سے کی ہیں کہ ایک طرف جام وسبو لالہ وگل جیسے الفاظ آئے ہیں تو دوسری طرف کائنات کے مسائل حل ہوتے نظر آرہے ہیں، وہ مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی بادہ ساغر ہی جیسے الفاظ میں کرتے ہیں۔

غزل بہت نازک اور لطیف صنف ہے اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں ہے، اردو زبان میں غزل گو شعراء کی کمی نہیں، ولی دکنی، میر و غالب سے لے کر جگر اور فراق کے عہد تک غزل گو شعراء کارواں در کارواں دکھائی دیتے ہیں لیکن جنھوں نے غزل کے تقاضوں کو حقیقی معنوں میں پورا کیا ہے ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ یہ دعویٰ تو نہیں کرسکتا کہ ان کی غزلوں میں کوئی نقص نہیں مگر ہاں اتنا تو یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ دور کے شاعروں میں اخترؔ مسلمی غزل گوئی کا حق اپنی بساط کے مطابق ادا کررہے ہیں اور وہ ایک حد تک اپنی اس جدو جہد میں کامیاب نظر آتے ہیں، وہ غزل میں بڑے تجربے کی باتیں کہتے ہیں اور بہت سلیقے سے کہتے ہیں۔ جب ایک شاعر کو تجربہ بھی ہو اور سلیقہ بھی تو اسے شاعر



کہنے میں ہمیں کوئی جھجک نہیں۔

جلا کے دل میں تری شمع آرزوائے دوست — ہر اک چراغ تمنا بجھا دیا میں نے

وہ عجیب رنگ بخشا ہے خجل شفق کی سرخی — مرے عشق سادہ دل کو ترے حسن لالہ رونے

دور جانے والے آنکھوں سے مری — اور بھی تم آگئے دل کے قریب

کسی کی برق تبسم کا خواب دیکھا تھا
نہ جانے رات ہمارے چمن پہ کیا گذری

ہاں یہ بھی طریقہ اچھا ہے تم خواب میں ملتے ہو مجھ سے
آتے بھی نہیں غم خانے تک وعدہ بھی وفا ہوجاتا ہے

جب گریباں تھا دست جنوں ہی نہ تھا — آج دست جنوں ہے گریباں نہیں

میں خود کو ہوش میں لانے میں کامیاب تو ہوں — کچھ احتیاط کرو تم جو مسکرانے میں

ہنستے ہیں گلستاں میں پھر جاکے کہیں غنچے — کرتی ہے دعا شبنم بادیدۂ نم پہلے

اخترؔ مسلمی کے مجموعۂ کلام میں اس قسم کے سیکڑوں اشعار نظر آتے ہیں جن میں حوصلہ، امنگ، زندگی، شگفتگی، نغمگی، وارفتگی، اور ربودگی ملتی ہے زبان بہت سادہ و شیریں، طرز بیان انوکھا اور دل پسند خیالات نازک بلند اور مہذب جذبات پاکیزہ اور لطیف ہیں۔

اخترؔ مسلمی کے کلام میں زندگی کا جو پیغام ملتا ہے وہ اخترؔ کو شہرت دوام عطا کردے گا اس لیے کہ ان کے یہاں تعمیر حیات کا کام درد دل سے ہوتا ہے ہاں اگر یہ درددل کم ہوگیا تو اور بات ہے۔

ہے تعمیر حیات اخترؔ اسی سے — یہ دردِ دل کہیں کم ہو نہ جائے

محشر اعظمی

# ایک آئینہ صفت شاعر

ماخوذ ماھنامہ ادب علی گڑھ

اس دور میں ہر شخص گونا گوں شخصیتوں کا حامل ہوتا ہے۔ مسائل زندگی زیادہ ہی نہیں بلکہ پیچیدہ بھی ہیں۔ اس لیے اہلِ جنون بھی کبھی کبھی دائرۂ ہوش وخرد میں آ کے پھنس جاتے ہیں ۔ اس دور میں یہ کہنا مشکل ہے کہ کوئی شخص مزاج میں کیسا ہے ۔ ہر شخص مذہبی بھی ہے، سیاسی بھی ہے، عاشق بھی ہے، محبوب بھی ہے ۔ اور خدا معلوم وہ کیا کیا ہوتا ہے ۔ یہ سب ہوتے ہوئے بھی اس کی مختلف شخصیتوں کا الحاق ایک ایسے رشتۂ نادیدہ سے ہوتا ہے جو اسے دوسرے لوگوں سے الگ کر دیتا ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے اور اس کی انفرادیت اُجاگر ہوتی ہے ۔ دورِ حاضر کے شاعر کے متعلق بھی آپ وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے ، وہ ماحول سے متأثر ہوتا ہے اسے ماحول کی پیچیدگیاں، عوام الناس کے ذہنی الجھاؤ، بقائے حیات کے لیے جدو جہد، سیاست ، مذہب، سبھی ایک گہری سوچ میں ڈال دیتی ہیں اور پھر اس کے افکار جب شعر کے سانچے میں ڈھلتے ہیں تو اس کی شخصیت واضح طور سے نظر نہیں آتی۔ نقاد یہ تو سمجھ لیتا ہے کہ فلاں شخص شاعر ہے، محض عروض و قافیہ کی پابندی اور شعر کے رکھ رکھاؤ اور ستکپت کی بنا پر ہی



رسماً نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر واقعتاً لیکن شاعر کے معتقدات وتصورات کو صحیح طور سے متعین کرنا بہت دشوار ہوگیا ہے ۔ میرے سامنے بھی یہی دشواری ہے ۔ میں نے اپنے دوست اخترؔ مسلمی کو شاعر تو مان لیا، لیکن سوچتا ہوں کہ انھیں انسان کی کس صف میں رکھوں ، کچھ بہکے بہکے خیالات، اکھڑی اکھڑی سوچ ، گونا گوں مشاہدات، تأثرات، کچھ گریز وفرار، کچھ جوشِ عمل وسعیِ جہد اور کچھ اپنوں اور پرایوں کی باتیں، کچھ دین کی کچھ دنیا کی، غرض فکر کی اس بے ترتیبی میں کسی کو ڈھونڈھ لینا کارے دارد۔ اس سے میرا مطلب یہ قطعی نہیں کہ میں اخترؔ صاحب کو سمجھنے سے قاصر ہوں یا یہ کہ میں انھیں غیر واضح سمجھتا ہوں بلکہ دراصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اس دور کی خوبی ہے کہ اخترؔ صاحب کو سب کچھ ہونا پڑا۔ ایسی حالت میں انھیں محدود نہیں کیا جاسکتا۔

اخترؔ صاحب کے دیوان میں صرف غزلیں ہیں، لیکن غزلیں صرف غزل تک ہی محدود نہیں ہیں، یعنی وہ حسن وعشق سے پرے بھی گئے ہیں۔ لیکن جہاں تک تغزل کا سوال ہے وہ شروع سے آخر تک ہے۔ تغزل سے کوئی کچھ بھی مطلب نکالے میں تغزل کا مفہوم لب ولہجہ کی نرمی سمجھتا ہوں۔ وہ نرمی جو شاعر کی زبان کو حسن محبوبی ومعصومی عطا کرتی ہے ایسی محبوبی ومعصومی جس پر پیار آجائے ۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کر دیئے سارے ستم چرخِ کہن سے منسوب — مجھ سے دیکھا نہ گیا ان کا پشیماں ہونا

بہر حال دل جلوہ گہہ ہے کسی کی! — جو کعبہ نہیں ہے تو بُت خانہ ہوگا

آپ کا تیر اور دل کو صدمہ — رنج ہوگا کسے میہماں سے

یہ کرم نما نگاہیں یہ وفا نما تبسّم — کوئی جیسے ہلکے ہلکے مرے دل کو گدگدائے

کلام میں یہ حسنِ تغزل لطیف اشاریت سے پیدا ہوتا ہے ۔ شاعر کا ذہن

اپنے چارسو سے بھونڈی اور بھدی حقیقتوں کو لیتا ہے اور عالم خیال میں انھیں سنوار کر تشبیہ واستعارے اور اشارے و کنائے کے جامے میں پیش کرتا ہے۔ جس سے ان حقائق میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور لوگ شعر کی محبوبی سے متأثر ہوتے ہیں۔ دیکھیے کہ مندرجہ ذیل اشعار کس طرح ہندیوں کی غلامانہ ذہنیت کو ظاہر کرتے ہیں، حالاں کہ آزاد ہوئے کچھ سال گزر گئے:

پیدا ابھی مذاقِ گلستاں نہ کر سکے      تبدیل ذوق خوگرِ زنداں نہ کر سکے

ہونے کو تو طلوع ہوئے لاکھ آفتاب      شامِ خزاں کو صبحِ بہاراں نہ کر سکے

شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ عشق بھی کرتا ہو لیکن عشق کے لیے محبوب کی وحدت ضروری نہیں ہے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ محبوب صرف عاشق کا ہو کے رہ جائے۔ اردو شاعری کا ایک دور وہ بھی تھا جب عاشق یہ تمنا کرتا تھا کہ اس کا محبوب صرف اسی کا ہو اور وہ بھی صرف ایک کا ہو کے رہے۔ اس دور میں یہ ناممکن ہو گیا ہے، اب محبت کو شوہر تک محدود نہیں کیا جاسکتا:

اخترؔ اگر آباد رہے گل کدۂ دل!

پھر اس میں تو کچھ مست خرام آتے رہیں گے

اور یہ ''کچھ مستِ خرام'' راہِ سیاست کے رہزن بھی ہیں، رہنما بھی ہیں، خدا بھی ہیں، بت بھی ہیں، عوام بھی ہیں، خواص بھی ہیں۔ دور حاضر نے عشق کو اتنی وسعت عطا کی ہے کہ اسے کسی ایک کی ذات سے نہیں باندھا جاسکتا۔ ایک غزل کے چند اشعار دیکھیے۔ ہمارا شاعر اس دور کی سیاست کو کس لطیف انداز اور عشق کے پیرائے میں پیش کرتا ہے:



کسی پہ گُل کی بارشیں کسی کو خار وخس ملے      یہ باغباں کا ظرف ہے چمن چمن کی بات ہے

کسی پہ ہیں عنایتیں کہیں ستم طرازیاں!      بُرا ہم اس کا مانیں کیا یہ بانکپن کی بات ہے

کسی کو خم کے خم ملے کوئی ترس کے رہ گیا      ہٹاؤ جانے دو تمہاری انجمن کی بات ہے

جو بوالہوس تھے ان کو تم وفا پرست کہتے ہو      چلو یہی سہی تمہارے حسنِ ظن کی بات ہے

وفا کرو جفا ملے بھلا کرو بُرا ملے      ہے ریت دیس دیس کی چلن چلن کی بات ہے

ستم بھی اخترؔ اپنوں کے جو ہوں تو بھول جائیے      بھلی ہو یا بری سب اپنے ہی وطن کی بات ہے

یہ سیاسی محبوب ہمارے غزل گو شاعر کو پریشان کرتے ہیں، ستاتے ہیں، جیل میں بند کرتے ہیں، پھانسی پر لٹکاتے ہیں اور کبھی کبھی اس عاشق حق پرست کو مٹانے کی سازشیں بھی کرتے ہیں، کیوں کہ وہ صرف انھیں کا عاشق نہیں ہوتا بلکہ اس کے سینے میں کروڑوں عوام کی بھی محبت ہوتی ہے۔

اب توقع ہی کیا باغباں سے

سازشیں کر رہا ہے خزاں سے

پریشان ہو کے ہمارا شاعر تڑپ اٹھتا ہے اور شکوۂ بیداد بھی کبھی کبھی دبی زبان سے اور کبھی واضح طور سے کرتا ہے۔

لالۂ وگل سے پوچھیے سرو سمن سے پوچھیے      مری چمن نوازیاں حسن چمن سے پوچھیے

کر گئیں سرخرو اسے کس کے لہو کی سُرخیاں      یاد نہ ہو جو آپ کو خاکِ وطن سے پوچھیے

میری نوائے حریت سے ہیں تمام آشنا      کوہ و دمن سے پوچھیے گنگ وجمن سے پوچھیے

اخترؔ اب آپ کر چکے دیر وحرم کی جستجو!      منزلِ عشق کا نشاں دار و رسن سے پوچھیے

مقطع پر خاص طور سے غور کیجیے شاعر کو مذہبی سیاست سے کچھ نہ ملا اس لیے اس کا

جذبِ عمل عشق کو نیا موڑ دیتا ہے اور وہ چھپے چھپے عوامی انقلاب کی طرف رجوع کرتا ہے۔

ہمارا شاعر جب محبوبانِ قوم و وطن کے لیے اتنی قربانیاں کر سکتا ہے تو اسے اپنی فکر کیوں کر ہو سکتی ہے، اسے آرائشِ بزمِ جاناں کا خیال ہے۔ اسے چمنستانِ وطن کے لالۂ وگُل کے اجڑنے کا خوف ہے اس لیے وہ تنبیہ کرتا ہے:

نکالے جانے کی اپنے تو کوئی فکر نہیں! ہمارے بعد تری انجمن پہ کیا گذری

اردو شاعری میں لالۂ وگُل معشوق کے لیے بہ طور استعارہ مستعمل ہیں۔ ہمارا شاعر شیدائے چمنِ وطن ہے۔ اس لیے اس کے لالۂ وگُل سے صرف لالہ رخاں ہی مراد نہیں بلکہ وہ سیاسی محبوب ہیں جنھوں نے زندگی دوبھر کر رکھی ہے۔ دیکھیے اندازِ شکوہ کتنا حسین ہے اور ساتھ ہی ساتھ طنز میں حسنِ تغزل بھی ہے۔

یہ وہ چمن ہے جہاں گُل بھی خار خصلت ہیں
چمن پرست بھی دامن بچا بچا کے چلے

روایات کی بنا پر شاعر کے لیے صاحب جنوں ہونا بھی ضروری ہے۔ صرف عورت یا خدا کے عاشق کے لیے معراجِ سرمدیت تو کچھ مشکل بات نہیں۔ لیکن وہ شاعر جو اپنا ماحول دیکھتا ہے، ملک وقوم کی ابتری وخوشحالی سے متأثر ہوتا ہے، جو جد و جہد کی تلقین کرتا ہے، کیوں کہ سرمدیت کی معراج حاصل کرسکتا ہے؟ پھر بھی خرد کی نگہبانی میں ہمارا شاعر صحرائے جنوں میں سنبھل سنبھل کے بہک لیتا ہے اور ایسا بہکتا ہے کہ اسے راہِ صحیح مل جاتی ہے:

اپنی دھن میں ہو کے گُم میں کہاں نکل گیا
اہلِ کارواں کا تو دور تک پتہ نہیں!



ہمارا شاعر اگر راہِ صحیح پر گامزن نہیں تو اہلِ کارواں کے پیچھے رہ جانے کا ملال کیوں ہے؟ گویا وہ پُر اُمّید ہے کہ وہ راہِ جنوں سے منزلِ خرد پر پہنچے گا۔

روایتاً جنون و سرمدیت کے لیے مے نوشی جزوِ شاعری ہے۔ ہمارا شاعر بھی شراب پیتا ہے مگر رندِ خرابات نہیں بنتا۔ وہ بہکنے والوں پر طنز کرتا ہے۔

یہ مئے پرست مئے ناب پی کے بہکیں گے نگاہِ ساقی سے ہم تو نظر ملا کے چلے

مگر کہاں؟ 'وہیں' جو خرد کی منزل ہے۔

جنون برائے جنون کا نظریۂ فرسودہ عشق کو محدود کرتا ہے۔ ہمارے شاعر کے لیے جنون و عاشق کا مفہوم کچھ اور ہے، وہ کشمکشِ حیات میں ذی ہمّت ہے۔ اس کا حوصلہ بلند ہے۔ جبھی تو وہ کہتا ہے:

ہے ذوقِ طلب دل میں جو ترے کچھ اس کو بلند اتنا کر دے
تو جس کی تمنا کرتا ہے وہ تیری تمنا کر بیٹھے

درد و خلش اس کے لیے وہ ابتدا ہے جو اسے راہ طلب میں منزل حصولِ مقصد تک لے جاتے ہیں۔ وہ درد وخلش سے پرنہیں ہوتا بلکہ تلاشِ درماں میں بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ ارتقائے حیات کا قائل ہے وہ ارتقائے آخری کی سرحد چھو لینا چاہتا ہے:

سکون راہِ طلب میں حرام ہے شاید کہ عشق بےخلش و دردِ خام ہے شاید
یہ وہ کشش ہے کہ خود کھینچ لے گی منزل کو ابھی تو ذوقِ طلب ناتمام ہے شاید

حزن و یاس کے دُھندلکے میں بھٹکنا تو شاعر کے لیے فطری چیز ہے لیکن اس میں ڈوب کے کھو جانا توہینِ جذب عاشقی ہے۔ اخترؔ میں ایسی مجہولیت اور مایوسی

آپ نہ پائیں گے۔ ان میں وہ خود اعتمادی ہے جو جذبۂ خودی کو جنم دیتی ہے۔

آستانِ دوست کے سجدوں پہ ہے ناز عروج  کب کسی کے سامنے جھکتی ہے پیشانی مری

وہ محبوب کے دل میں اپنا نقش بھی چھوڑ دیتے ہیں۔

تصویرِ وفا بن کے مرا نقش ہے دل میں  یوں لب پہ کسی کے مرا نام آئے نہ آئے

غرض یہ ہیں اخترؔ مسلمی۔ ان کے یہاں کوئی پیام نہیں نہ سہی۔ وہ رچاؤ، وہ سج دھج، وہ چوٹی کنگھی تو ہیں، جو زلف فردا کو سنوار دیں۔ صدیوں کے پست قامت جو حسینۂ روزگار کی زلف تک نہیں چھو سکتے، کچھ بھی کہیں مجھے اخترؔ کا کلام پسند ہے۔ مجھے اُمّید ہے کہ اُن کا دیوان نوجوان طبقہ میں مقبول ہوگا۔

چرن سرن سنگھ

۱۰؍فروری ۱۹۶۰ء



## ماخوذ جامعہ

جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی

اعظم گڈھ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے ایک چھوٹا سا ضلع ہے، مگر علم و ادب کی خدمت کے لحاظ سے بہت سے صوبوں پر بھاری ہے۔ اخترؔ مسلمی صاحب اسی ضلع کے ایک ہونہار شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مگر ان کے کلام کی سلاست، روانی، سادگی اور خیالات و جذبات کی شرافت اور پاکیزگی کو دیکھ کر یقین ہے کہ ان کا مستقبل شاندار ہوگا۔

چند شعر ملاحظہ ہوں:

رہے ذوقِ غم سلامت کہ اب آرزو ہے اخترؔ  کوئی بجلیاں گرائے میں بناؤں آشیانہ

☆

جلا کے دِل میں تری شمع آرزوائے دوست  ہر اِک چراغِ تمنّا بجھا دیا میں نے

☆

ہائے رے ان کی نگاہِ خشمگیں  آرزوؤں کو پسینہ آگیا

☆

اخترؔ اب آپ کر چکے دیر و حرم میں جستجو  منزلِ عشق کا نشاں دار و رسن سے پوچھئے

اگست ۱۹۶۲ء

# ماہنامہ تذکرہ دیو بند

مدیر: نجم الدین اصلاحی

جلد۴ بابت ماہ رجب۸۲ھ مطابق جنوری ۱۹۶۳ء

نقد وتبصرہ: از مولانا نجم الدین صاحب اصلاحیؔ

موجِ نسیم جناب اخترؔ مسلمی صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے جو اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کا ایک ایسا مرقع ہے جس میں اخترؔ صاحب اور ان کے کلام کو اہلِ نظر بڑی آسانی سے پرکھ سکتے ہیں۔

اس مجموعہ کے اندر ''پیش لفظ''، ''اظہارِ حقیقت''، ''اظہارِ خیال''، مقدمہ، ''تبصرہ وتعارف''، اور عرضِ حال کے تعارفی عنوانات نے خاک اعظم گڈھ کی مردم خیزی اور مدرسۃ الاصلاح کی تربیت پذیری اور روح پروری میں چار چاند لگا دیا ہے۔ موجِ نسیم کے اندر زبان کی لطافت اور تخیلات کی پاکیزگی میں اخترؔ صاحب اپنے استاد علامہ سہیلؔ مرحوم کی صحیح عکاسی کرتے نظر آتے ہیں اور کامیاب ہیں۔

اخترؔ صاحب کے اس مجموعہ سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کس ماحول اور کس دور کا شاعر ہے اور اس کی شاعری سے کس طرح حوادثاتِ زمانہ کا مقابلہ کیا



جاسکتا ہے۔ کلام کی ہمہ گیری اور توانائی نے خود اس سوال کا جواب فراہم کر دیا ہے:

دل اگر زندہ ہے تو پھر اے زیست کے طالب
ہر گام پہ جینے کے پیام آتے رہیں گے

جن اہلِ ذوق نے اس مجموعہ کا تعارف کرایا ہے حق تو یہ ہے کہ انھوں نے نقد وتبصرہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور سب اس امر پر متفق ہیں کہ اخترؔ صاحب نے مشق سخن جاری رکھی تو ان کی شاعری کو شہرتِ دوام حاصل ہوگی اور غزل جیسی نازک اور لطیف صنف میں وہ گوئے سبقت لے جائیں گے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جگرؔ مرحوم کی طرح اخترؔ صاحب کے کلام میں بھی ربودگی کے ساتھ نغمگی پورے طور پر پائی جاتی ہے اور اخترؔ صاحب کا ترنم سونے پر سہاگہ کا کام کرتا ہے۔ یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ ہر پڑھا لکھا اس سے مستفید ہو۔

چند اشعار جو مجھ کو بہت پسند آئے وہ درج ذیل ہیں، یہ چند کلمات اخترؔ صاحب کے اصرار پر پورے مجموعہ کو پڑھ کر لکھنے پڑے، ورنہ میں تو نہ شاعر، نہ ادیب:

آستانِ دوست کے سجدوں پہ ہے نازِ عروج
کب کسی کے سامنے جھکتی ہے پیشانی مری

☆

سکوتِ مرگ کو پیچھے ہمیں ہٹانا ہے
اب انقلاب کے شعلوں سے کھیل جانا ہے
چمن کو چھوڑ کے جائیں کہاں چمن والو
اسی چمن میں ہمارا بھی آب و دانا ہے

☆

رہا اب اور کیا باقی زوالِ آدمیّت میں
نگاہیں ہوگئی ہیں مائلِ تخریب انساں کی

ایک بار تو ٹکرا کر دیکھو کشتی کو بھیانک موجوں سے
یوں راحتِ ساحل کے خوگر اندازۂ طوفاں کیا ہوگا

☆

مسندِ عیش پہ ہنسنا تو کوئی بات نہیں ! سیکھ اے دوست سرِ دار بھی خنداں ہونا

☆

یہ تارِ اشکِ مسلسل یہ آہِ نیم شبی کسی کو ہوگئی اس کی خبر تو کیا ہوگا

☆

ہجومِ غم میں نکل آئی ہے جو آہ کبھی تو کی ہے بے اثری کی بھی پھر دعا میں نے
جلا کے دل میں تری شمعِ آرزو اے دوست ہر اک چراغِ تمنا بجھا دیا میں نے

☆

ان کی زلفیں ہی نہ سُلجھیں اور ہم داستانِ زندگی دہرا گئے

☆

دردِ دل زخمِ جگر سوزِ نہاں اشکِ رواں حضرتِ عشق نے بخشا ہے یہ انعام مجھے

☆

اختر آپ کر چکے دیر و حرم میں جستجو
منزلِ عشق کا نشاں دار و رسن سے پوچھئے

☆

پورا مجموعہ اسی انداز کا ہے۔

نجم الدین اصلاحی



## ماخوذ الرّشاد

جامعۃ الرشاد، اعظم گڈھ

اختر مسلمی ضلع اعظم گڈھ کے ممتاز اور مشہور غزل گو شاعر ہیں۔ انھوں نے دوسرے اصناف شاعری پر بھی لکھا ہے مگر ان کا اصل میدان غزل ہے۔ اس سے پہلے ان کا ایک مجموعہ ۱۹۶۱ء میں ''موجِ نسیم'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور یہ ان کا دوسرا مجموعہ ہے۔ جو ''بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر'' کا مصداق ہے، پورے مجموعہ میں ایسی کوئی غزل نہیں ہے جسے آدمی پڑھے اور غم و سرور کی ملی جلی کیفیت اس پر نہ طاری ہوجائے۔ ان کی غزلوں میں قدامت و جدت کا بہترین امتزاج ہے۔ اس وقت کے شعراء کے کلام کے جو مجموعے سامنے آتے ہیں، ان کی ایک دو غزلوں اور نظموں کا پڑھنا بھی ذوقِ سلیم پر بار ہوتا ہے۔ مگر اختر مسلمی کا پورا مجموعہ پڑھنے کے بعد بھی سیری نہیں ہوتی۔

یہ سطحیت اور نا اہلوں کی قدردانی کا دور ہے۔ اس لیے اختر مسلمی اور ان کا کلام جس قدردانی اور توجہ و اعتنا کا مستحق تھا وہ اسے حاصل نہ ہوسکا۔ سنجیدہ ذوق رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان کے کلام کو ناقدری سے بچانے کی کوشش کریں۔ جامعۃ الرشاد میں ان کی حمد ہی سے بچوں کی دعا شروع ہوتی ہے۔

مئی ۱۹۸۲ء

## ماخوذ معارف

معارف دارالمصنفین ،اعظم گڈھ

جناب اخترؔ مسلمی ضلع اعظم گڈھ کے مشہور شاعر ہیں۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام بیس برس قبل ''موجِ نسیم'' کے نام سے شائع ہوا تھا جو اب نایاب ہے، اس لیے زیرِ نظر مجموعہ میں نئے کلام کے ساتھ اس کا انتخاب بھی دیا ہے ، انھیں تغزل سے خاص مناسبت ہے اور وہ حسن و عشق کے لطیف جذبات اور الفت و محبت کی واردات و کیفیات کی ترجمانی دلآویز پیرایہ میں کرتے ہیں ، برسوں کوچۂ مجاز کی خاک چھاننے کے بعد وہ حقیقت کی راہ پر گامزن ہوئے ہیں، اس سے ان کے کلام میں دوآتشہ کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اور اسی لیے انھوں نے اس مجموعہ کی ابتداء حمد و مناجات سے کی ہے۔

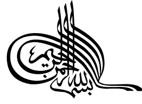
اخترؔ صاحب کے حساس و درد مند دل نے ملک وقوم کے موجودہ حالات و مسائل اور ہماری معاشرتی،قومی اور سیاسی زندگی کے نشیب وفراز کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، اس لیے ارباب سیاست کی خودغرضی ملک وقوم کے مسائل سے ان کی غفلت فرقہ واریت تنگ نظری، مسلم رہنماؤں کی مداخلت اور مصلحت پسندی اورقومی، سیاسی



اخلاقی و مذہبی زندگی کی عام ناہمواریوں اور خرابیوں کو بھی انھوں نے اپنے تغزل کا موضوع بنایا ہے ، اور اخلاق و شرافت اورحق پسندی وحق بینی کا درس بھی دیا ہے ۔مگر اس سے تغزل کی دل کشی و لطافت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے ، یہ مجموعہ تغزل کا ستھرا اور پاکیزہ ذوق رکھنے والوں کے لیے ضرور سامانِ کیف ولطف ہوگا۔

اکتوبر۱۹۸۲ء

# موج نسیم



# حمد باری تعالیٰ



کروں وصف کیا میں بیاں ترا تری شان جلّ جلالہٗ
تری ذات لائقِ ہر ثنا تری شان جلّ جلالہٗ

تری کار سازی سے آشنا نہ ہوئے پیمبر و اولیاء
ترا بھید کوئی نہ پا سکا تری شان جلّ جلالہٗ

جو مریضِ غم کی کرے دوا دلِ دردمند کو دے شفا
نہیں اور کوئی ترے سوا تری شان جلّ جلالہٗ

تو سکونِ دل تو قرارِ جاں تو معین و حامی بے کساں
تو ہی بے سہاروں کا آسرا تری شان جلّ جلالہٗ

تو رحیم ہے تو کریم ہے تو علیم ہے تو حکیم ہے
مرے دل کو کردے سکوں عطا تری شان جلّ جلالہٗ

میں گناہ گار ہوں سر بسر مرے حالِ زار پہ رحم کر
تری رحمتوں کا ہے آسرا تری شان جلّ جلالہٗ

وہ رسولِ خاتمِ انبیاء شہِ دیں محمد مصطفےٰؐ
ہمیں ایسا راہ نما دیا تری شان جلّ جلالہٗ

ترا بندہ اختر مسلمی ترے در پہ سر بسجود ہے
ہے لبوں پہ اس کے تری ثنا تری شان جلّ جلالہٗ

☆☆



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مناجات

☆

الٰہی میں ہوں بدکار و گنہ گار!
ہے تیرا نام ستّار اور غفّار

نہ کی میں نے تری طاعت گذاری
گناہوں میں بسر کی عمر ساری

سراپا زندگی میری خطا ہے
تری رحمت کا لیکن آسرا ہے

عنایت کی نظر اک بار کردے
تو میرا دامنِ اُمّید بھر دے

سکونِ قلب کا سامان کردے
تو میری مشکلیں آسان کردے

ترے محبوب کا دیدار ہوجائے
زیارت خواب میں اک بار ہوجائے

سہارا نزع کے عالم میں دیجو!
الٰہی خاتمہ بالخیر کیجو!

☆☆





# نعت

## سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم



تخلیقِ دو عالم ہے بہ فیضانِ محمدؐ
دنیا کی ہر اک شے پہ ہے احسانِ محمدؐ

یہ رُتبۂ عالی ہے یہ ہے شانِ محمدؐ
خود خالقِ عالم ہے ثنا خوانِ محمدؐ

بخشا ہے لقب آپ کو رحمت کا خدا نے
ہر اِک کے لیے عام ہے فیضانِ محمدؐ

توحید کی دولت سے بھرا دامنِ انساں
کیا کم ہے زمانے پہ یہ احسانِ محمدؐ

پہچان لے اللہ کو ممکن ہی نہیں ہے
حاصل نہ ہوا ہو جسے عرفانِ محمدؐ

کیوں لرزہ براندام نہ ہو سطوتِ شاہی
شاہوں سے بھی بڑھ کر ہیں غلامانِ محمدؐ

آ دیکھوں ترا زور بھی اے مہرِ قیامت
ہے سر پہ مرے سایۂ دامانِ محمدؐ

اخترؔ مجھے دیکھیں گے تو بول اُٹھیں گے قدسی
آیا وہ سرِ حشر ثنا خوانِ محمدؐ

☆☆



☆

کیوں کرے کوئی بہاروں میں نگہبانی مری
جا نہیں سکتی یہ خوئے چاک دامانی مری

کر لے جتنا ہو سکے تجھ سے ستم اے آسماں
رنگ لائے گی کبھی تو نالۂ سامانی مِری

وسعتِ دل دیکھیے گر دیکھنا ہے آپ کو!
ظاہری پردہ ہے شانِ تنگ دامانی مری

آستانِ دوست کے سجدوں پہ ہے نازِ عروج
کب کسی کے سامنے جھکتی ہے پیشانی مری

وہ تو اخترؔ آئے تھے بہرِ علاجِ دردِ دل
بڑھ گئی کچھ اور بھی لیکن پریشانی مری

☆☆



کیا بتائیں کتنا لُطفِ زندگی پاتا ہے دل
جب نگاہِ ناز تیری زد پہ آجاتا ہے دل

کون ہے غم خوار اپنا شامِ غم اے بے کسی
دل کو بہلاتا ہوں میں یا مجھ کو بہلاتا ہے دل

آ کے اُن کی یاد کچھ تسکین دیتی ہے مجھے
جب شبِ فرقت کی تنہائی میں گھبراتا ہے دل



ہائے وہ منظر نہ پوچھو جب بحُسنِ اتفاق
ملتی ہیں نظروں سے نظریں دل سے مل جاتا ہے دل

کیوں نہ سمجھوں آپ کو میں سو بہاروں کی بہار
سامنے جب آپ آتے ہیں تو کھِل جاتا ہے دل

کوئی جادہ ہے، نہ منزل ہے، نہ کچھ قیدِ مقام
اپنی دُھن میں اک طرف مجھ کو لیے جاتا ہے دل

جانے کیوں اخترؔ مری آنکھوں میں آجاتے ہیں اشک
جب وہ رنگیں داستاں ماضی کی دُہراتا ہے دل

☆☆

☆

اک حشر اضطراب سا قلب و جگر میں ہے
کیا جانے کس بلا کا اثر اُس نظر میں ہے

اس پر بھی اختیار نہیں وائے بے بسی
سمجھے ہوئے تھے ہم کہ دل اپنے اثر میں ہے

جلوے تمام کون و مکاں کے سَما گئے
وسعت کہاں کی میرے دلِ مختصر میں ہے



ہے دیکھنا تو دیدۂ بینا سے دیکھیے
جلوے ہیں کس کے کون یہ شمس و قمر میں ہے

ان کی نگاہِ ناز سے بھی بے نیاز ہے
سمجھے ہوئے تھے ہم کہ دل اُن کے اثر میں ہے

پھر آرہا ہے کوئی تصوّر میں بار بار
اخترؔ کچھ آج اور ہی عالم نظر میں ہے

☆☆



صدقے تِری نظروں کے میرا دل بھی جگر بھی
ساقی مرے اک جام عنایت ہو ادھر بھی

اٹھنا تھا کہ بس چور ہوا دل بھی جگر بھی
کیا چیز تھی واللہ وہ مخمورِ نظر بھی

کیا بات ہے کیوں مشقِ تگ و دو ہے مُسلسل
ناکام ہیں کیا میری طرح شمس و قمر بھی

مجھ کو تو نہیں جُرم محبت سے کچھ انکار
آتا ہے یہ الزام مگر آپ کے سر بھی

تاریک ہے کس درجہ یہ دنیا مری اخترؔ
مجھ کو تو نظر آتی ہے اب شام، سحر بھی







کیا کہوں دل مرا کس درجہ غنی ہے اے دوست
دولتِ درد اُسے جب سے ملی ہے اے دوست

مجھ سے قسمت بھی مری روٹھ گئی ہے اے دوست
یہ بھی انداز ترے سیکھ رہی ہے اے دوست

مجھ کو منظور نہیں عشق کو رسوا کرنا
ہے جگر چاک مگر لب پہ ہنسی ہے اے دوست

دردِ دل زخمِ جگر سوزِ نہاں اشکِ رواں
تو سلامت ہے تو کس شے کی کمی ہے اے دوست

ہائے اب وہ خلش درد کہاں سے لاؤں
زندگی پھر وہی شے ڈھونڈ رہی ہے اے دوست

چشمِ گریاں بھی بہت جوش میں آئی لیکن!
آگ اس طرح کہیں دل کی بجھی ہے اے دوست

کون سے وقت میں اخترؔ کو سہارا دوگے
اب تو اُمّید بھی دم توڑ رہی ہے اے دوست

☆☆



☆

اے دلِ بے خبر ابھی کیا ہے
جانتا بھی ہے عاشقی کیا ہے

سبب جورِ بے رُخی کیا ہے
کچھ کہو وجہِ برہمی کیا ہے

جانے والا چلا گیا اب تو
نگہہِ شوق دیکھتی کیا ہے

یاد مونس ہے غم گُسار ہے دل
شامِ فرقت میں بے کسی کیا ہے

جی رہا ہوں ترے بغیر مگر
اِک مصیبت ہے زندگی کیا ہے

جُز ترے کیا طلب کروں تجھ سے
مجھ کو تیرے سوا کمی کیا ہے

پَر توِ حُسن روئے دوست ہے یہ
ماہ و انجم میں روشنی کیا ہے

دوستی میرے بخت سے ہے تجھے
مجھ سے اے نیند دشمنی کیا ہے

اپنے بس ہی کی جب نہیں اخترؔ
ہائے ایسی بھی زندگی کیا ہے

☆☆



☆

حیات ایک تگ و دو کا نام ہے شاید
سکوت کیا ہے فنا کا پیام ہے شاید

سکون راہِ طلب میں حرام ہے شاید
کہ عشق بے خلش و درد خام ہے شاید

یہ وہ کشش ہے کہ خود کھینچ لے گی منزل کو
ابھی تو ذوقِ طلب ناتمام ہے شاید

تجھے خبر بھی ہے کیا چیز بے قراری ہے
یہی تو زیست کی وجہِ قیام ہے شاید

کرے اسیر کوئی کیا مجال ہے اخترؔ
یہ آدمی تو خود اپنا غلام ہے شاید

☆☆



اے دوست یہ باتیں تم شاید سمجھو نہ مرے سمجھانے سے
انجام محبت کا کیا ہے پوچھو یہ کسی پروانے سے

کم بخت یہ دل اُف کام پڑا مجھ کو بھی عجب دیوانے سے
سمجھے نہ کبھی سمجھانے سے بہلے نہ کبھی بہلانے سے

تنہائی میں اکثر دل سے مری اس طرح بھی باتیں ہوتی ہیں
جس طرح کرے باتیں کوئی دیوانہ کسی دیوانے سے

بے عشق تمیزِ حُسن نہیں بے حُسن وجودِ عشق نہیں
پیمانے کی عزّت مے سے ہے اور رونق مے پیمانے سے

بربادی مجھے اپنے دل کی بے ساختہ یاد آجاتی ہے
جب بھی کبھی اختؔر میرا گذر ہوتا ہے کسی ویرانے سے







قیامت ہے بہار اب کے برس اپنے گلستاں کی
گلوں میں کیفیت پیدا ہوئی خارِ بیاباں کی

جو باہم عندلیبانِ چمن دست و گریباں ہیں
تو ایسی کشمکش میں فکر ہے کس کو گُلستاں کی

رہا اب اور کیا باقی زوالِ آدمیّت میں
کہ طینت ہوگئی ہے، مائلِ تخریبِ انساں کی

اگر ہے جذبۂ صادق تو کیا ڈر موجِ طوفاں سے
لگا دے گی کنارے خود ہی کشتی موجِ طوفاں کی

بہاروں میں کرے کوئی ہزار اُن کی نگہ بانی
کہاں جاتی ہے دیوانوں سے خو چاکِ گریباں کی

مجھے جب درد ہی میں زندگی کا لُطف ملتا ہے
تو پھر اے چارہ گر مجھ کو ضرورت کیا ہے درماں کی

بڑی مشکل سے اُف کم بخت دل کو چین آیا تھا
معاذ اللہ پھر یاد آگئی کس فتنہ ساماں کی

اندھیری رات میں ہے جُگنوؤں کی روشنی کافی
غریبوں کی لحد پر کیا ضرورت ہے چراغاں کی

اِسے اہلِ نظر کہتے ہیں توہینِ جنوں اخترؔ
کسے شوریدگی میں فکر ہوتی ہے گریباں کی

☆☆





ہم وہ ہیں جو طلب لذّتِ غم کرتے ہیں
تم سے کب شکوۂ بیداد و ستم کرتے ہیں

ہائے کیا ہوگا بتا اے دلِ بیداد پسند
اب ستم بھی وہ بہ اندازِ کرم کرتے ہیں

تم نہیں واقفِ آدابِ صنم اے واعظ
بُت کدے میں بھی کہیں ذکرِ حرم کرتے ہیں

ہم وفائیں بھی کریں اور خطاوار رہیں
وہ اگر ظلم بھی ڈھائیں تو کرم کرتے ہیں

اِس کو اربابِ نظر کہتے ہیں توہینِ جنوں
سختیٔ غم میں کہیں آنکھ بھی نم کرتے ہیں

اُس پہ سو بار کروں عزّتِ کونین نثار
ہائے وہ سر جو ترے پاؤں پہ خم کرتے ہیں

آج تک جس کو ستم کا بھی سلیقہ نہ ہوا
اخترؔ اُس سے عبث اُمّیدِ کرم کرتے ہیں

☆☆



☆

ازل سے سر مشقِ جورِ پیہم خدنگِ آفات کا نشانہ
میں سر سے پا تک ہوں نالۂ غم سناؤں کیا عیش کا ترانہ

سنا تو میں نے بھی ہے کہ دامِ قفس کو ٹوٹے ہوا زمانہ
تمیز لیکن نہ کرسکا میں کہ یہ قفس ہے کہ آشیانہ

عجیب اُلجھن میں تو نے ڈالا مجھے بھی اے گردشِ زمانہ
سکون ملتا نہیں قفس میں نہ راس آتا ہے آشیانہ

اگر ارادے میں پختگی ہے تو پھیر دوں گا رُخِ زمانہ
جہاں[1] پہ یورش ہے بجلیوں کی وہیں بناؤں گا آشیانہ

مصیبتوں کے گِلے عَبث ہیں فضول ہے شکوۂ زمانہ
جو مجھ سے پوچھو تو میں کہوں گا کہ ہے یہ عبرت کا تازیانہ

اسیر زنداں تھے جیسے پہلے وہی ہیں حالات اب بھی لیکن
ہے فرق اتنا کہ ہم سمجھنے لگے قفس ہی کو آشیانہ

نہ مجھ کو پروا خزاں کی ہوتی نہ خوف صیّاد و برق ہوتا
بدل لے اے کاش کوئی اپنے قفس سے میرا یہ آشیانہ

وفا تو میری سرِشت میں ہے وفا پرستی شعار میرا
جفائیں تم اپنی دیکھو پہلے وفائیں میری پھر آزمانہ

ہے میرا ذوقِ سجود اب بے نیاز دیر و حرم سے اخترؔ
جبیں جہاں خم کروں گا ہوگا وہیں نمودار آستانہ

☆☆

[1] مصرعہ طرح



☆

ہر شب تارِ خزاں صبحِ بہاراں کر دیں
خارِ بے جاں کو بھی رشکِ چمنستاں کر دیں

کر کے رنگیں در و دیوار لہو سے اپنے
ہم اگر چاہیں تو زنداں کو گُلستاں کر دیں

عیش میں اپنے نہ ہو جن کو غریبوں کا خیال
اُن کے ہر عیش کا شیرازہ پریشاں کر دیں

چیخ چیخ اُٹھتے ہیں جس درد کی بیتابی سے
دلِ مظلوم کے اس درد کا درماں کردیں

کر کے باطل کے خداؤں کی خدائی نابود
دوستو آؤ علاجِ غمِ دوراں کردیں

ہرطرف بغض و عداوت کی گھٹا چھائی ہے
دہر میں شمعِ محبت کو فروزاں کردیں

ہے اخوّت کا اثر جن کے دلوں سے مفقود
اُن درندہ صفت انسانوں کو انساں کردیں

ظلمتِ شب میں بھٹکتا ہے زمانہ اخترؔ
آؤ ہر ذرّے کو خورشید درخشاں کردیں

☆☆



☆

پیدا ابھی مذاق گُلستاں نہ کرسکے
تبدیلِ ذوق خوگرِ زنداں نہ کرسکے

کیوں کر کہیں بہار ہم ایسی بہار کو
شیرازۂ خزاں جو پریشاں نہ کرسکے

مجھ کو اسے بہار ہی کہنے میں عذر ہے
ہر نوکِ خار کو جو گُلستاں نہ کرسکے

کیا بات اے بہارِ چمن ہے کہ آج تک
ہم محوِ یادِ راحتِ زنداں نہ کرسکے

ہونے کو جلوہ ریز ہوئے لاکھ آفتاب
شامِ خزاں کو صبحِ بہاراں نہ کرسکے

کیا ہوسکے گا اِس سے علاجِ غمِ جہاں
جو آپ اپنے درد کا درماں نہ کرسکے

اخترؔ اس انقلاب کی اُڑ جائیں دھجیاں
دشواریٔ عوام جو آساں نہ کرسکے

☆☆



☆

جبیں اپنی کہیں خم ہو نہ جائے
مِزاجِ حُسن برہم ہو نہ جائے

بُجھا تو دی مِری شمعِ تمنّا
چراغِ زیست مدھم ہو نہ جائے

سنا تو دوں تمھیں افسانۂ غم
تمھاری آنکھ پُرنم ہو نہ جائے

نہ دیکھو یوں محبت کی نظر سے
یہ امرِت ہی مجھے سم ہو نہ جائے

زمانہ کے تلوّن کو تو سمجھو
مسرّت ہی کہیں غم ہو نہ جائے

ہے تعمیرِ حیات اخترؔ اسی سے
یہ دردِ دل کہیں کم ہو نہ جائے

☆☆





نہاں ہے خوئے صیّادی ہمارے باغبانوں میں
عنادل[1] باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

بس اک احساس آزادی سے دل ہے مطمئن ورنہ
قفس کا رنگ پیدا ہوگیا ہے آشیانوں میں

خبر کیا تھی بہارِ گلستاں یہ دن بھی آئے گا
ستائے گی قفس کی یاد ہم کو آشیانوں میں

---

[1] مصرعہ طرح

خدا کی شان اُس پر آج ہے الزام غدّاری
ابھی کل تک جو تھا رسمِ وفا کے راز دانوں میں

ہمارا نالۂ غم آج انھیں کو ناگوارا ہے
پڑا تھا حلقۂ طاعت ہمارا جن کے کانوں میں

چمن میں ان کو وحشت ہے ہماری ہم نشینی سے
جنھیں کل تک تھا بے حد انس ہم سے قید خانوں میں

کوئی اس کو خزاں سمجھے کہ فصلِ گُل کہے اخترؔ
نوا سنجانِ گُلشن نوحہ گر ہیں گُلستانوں میں







ہجومِ برق و شرار ہی سے یہ گلستاں لالہ زار ہوگا
سُنا ہے بادِ خزاں کے ہاتھوں چمن کا دونا نکھار ہوگا

ہمیں خبر کیا تھی ہم نشینوں کہ ایسا رنگِ بہار ہوگا
کسی کے قدموں میں پھول ہوں گے کسی کے دامن میں خار ہوگا

اگر سفینے کا ناخدا خود ہی غفلتوں کا شکار ہوگا
تو وہ سفینہ بتاؤ کیوں کر مہیب موجوں سے پار ہوگا

کسے خبر تھی کہ اس چمن میں جو پھول بوئیں گے خار ہوگا
اُلجھ اُلجھ کر انھیں سے دامانِ آبرو تار تار ہوگا

ہٹا دو یہ پردۂ توہُّم بدل دو یہ دورِ مار و کژدم
چمن کو مل کر سجائیں ہم تم تو پھر چمن لالہ زار ہوگا

ہمیں مٹاؤ نہ باغبانو کلامِ اخترؔ کی قدر جانو
نہ ہوں گے ہم تو اکیلے تم سے چمن کا بیڑا نہ پار ہوگا

☆☆



☆

مجھے کیا غم اگر تو مہرباں ہے
زمانہ لاکھ مجھ سے بدگُماں ہے

ہجومِ غم سے اب گھبرا گیا ہوں
کہاں ہے اے سکونِ دل کہاں ہے

تمھیں بھی مبتلائے غم نہ کردے
بڑی پُر درد میری داستاں ہے

مرا کیا ہے اُجاڑو یا بساؤ
جو سمجھو دِل تمہارا ہی مکاں ہے

نہ جانے کیا ستم ڈھائے گا ظالم
کئی دن سے وہ مجھ پہ مہرباں ہے

ہوئے جس کے لیے اپنے بھی دشمن
وہی اب مجھ سے اخترؔ بدگماں ہے

☆☆





اب توقّع ہی کیا باغباں سے
شازشیں کر رہا ہے خزاں سے

رنگ لاتی ہے کیا دیکھنا ہے
بَرق کی دوستی آشیاں سے

آگ گُلشن کی خوں سے بُجھاؤ
یہ بُجھے گی نہ اشکِ رواں سے

حُسن کی خیر اب میرے نالے
بات کرنے لگے آسماں سے

چال کوئی سِتم ہی کی ہوگی!
وہ بظاہر جو ہیں مہرباں سے

کوئی آفت نہ ہو آنے والی
آج ہم ہیں جو کچھ شادماں سے

حُسن اِک مصلحت ہے سراپا
عشق بے گانہ سود و زیاں سے

کیا کروں شکوہ اخترؔ سِتم کا
خود پشیماں ہوں جُرمِ فغاں سے

☆☆



☆

مل ہی جائے گا کوئی کنارا مجھے
موجِ غم دے رہی ہے سہارا مجھے

لے لیا تُند موجوں نے آغوش میں
ڈھونڈنے اب چلا ہے کنارا مجھے

میرے حُسنِ تصوّر نے دھوکا دیا!
میں نے سمجھا کہ تم نے پُکارا مجھے

اے غمِ دوست تو ہے سلامت اگر
پھر تو کافی ہے اتنا سہارا مجھے

جس میں شامل نہ ہو تیرے غم کی خلش
وہ مسرّت نہیں ہے گوارا مجھے

چاک ہے دل مگر مسکراتا ہوں میں
تا نہ سمجھے کوئی غم کا مارا مجھے

کتنی دلکش ہے یہ کس کی آواز ہے
آج اخترؔ یہ کس نے پُکارا مجھے

☆☆



☆

کون ہے جو چمن میں پریشاں نہیں
باغباں پھر بھی خوش ہے پشیماں نہیں

دیکھتے ہو گُلستاں میں جو روشنی
بجلیاں ہیں یہ شمعیں فروزاں نہیں

دیکھیے اس کی بے رَہ روی دیکھیے
جیسے کشتی کا کوئی نگہباں نہیں

ہم بنا کر نشیمن خطاوار ہیں!
پھونک کر گُلستاں تم پشیماں نہیں

خوف طوفاں سے لرزاں ہو ساحل پہ تم
گھِر کے موجوں میں بھی میں ہراساں نہیں

جب گریباں تھا دستِ جنوں ہی نہ تھا
آج دستِ جنوں ہے گریباں نہیں

اس قدر بڑھ گئی ظلمتِ شامِ غم
آسماں پر ستارے درخشاں نہیں

کیسی اخترؔ چمن میں بہار آگئی
بلبلیں نالہ زن ہیں غزل خواں نہیں

☆☆



☆

ستم ہے باغباں سے شکوۂ بیداد ہوتا ہے
چمن میں آج ذکرِ رحمتِ صیّاد ہوتا ہے

قفس میں تھے تو خوابِ آشیاں میں محو رہتے تھے
مگر اب آشیاں میں لُطفِ زنداں یاد ہوتا ہے

اسے بھی ایک اعجازِ نگاہِ باغباں کہیے
کوئی آباد ہوتا ہے کوئی برباد ہوتا ہے

وہ کوئی بھی ہو خانہ زادِ گُلشن ہو کہ بیرونی
جسے[1] مالی بناتا ہوں وہی صیّاد ہوتا ہے

چمن میں چند ہی لمحے سہی اک روشنی تو ہے
بَلا سے برق سوزاں آشیاں برباد ہوتا ہے

یہ ناکامی سہی میں کامیابی ہی سمجھتا ہوں
کہ عالم میری بربادی پہ اختر شاد ہوتا ہے

☆☆

[1] مصرعہ طرح





آئینِ جفا ان کا سمجھے تھے نہ ہم پہلے
ہوتا ہے ستم پیچھے کرتے ہیں کرم پہلے

کیوں سیرِ گُلستاں پر ہے چیں بجبیں کوئی
زنداں میں بھی رکّھا تھا میں نے ہی قدم پہلے

آباد رہیں دونوں بُت خانہ بھی کعبہ بھی
یہ بات نہ تھی تم میں اے شیخِ حرم پہلے

ہنستے ہیں گُلستاں میں پھر جا کے کہیں غنچے
کرتی ہے دُعا شبنم بادیدۂ نم پہلے

ہوتی نہ اگر کُلفت کیا لُطف تھا راحت میں
رہتی ہے مسرّت بھی منّت کشِ غم پہلے

کوشاں ہیں نکلنے کو یوں جاں بھی تمنّا بھی
وہ کہتی ہے ہم پہلے یہ کہتی ہے ہم پہلے

ہے نورِ حقیقت کا جویا تو مگر زاہد
اس راہ میں ملتے ہیں انوارِ صنم پہلے

برہم انھیں کرنے کی مُجرم مری آنکھیں ہیں
کچھ کہہ نہ سکا اُن سے یہ ہوگئیں نم پہلے

بخشا ہے محبت نے کچھ رنگِ اثر شاید
تھا تم میں کہاں اخترؔ یہ زورِ قلم پہلے

☆☆



☆

طوفانِ حوادث ہی میں سکوں پاتا ہوں کنارا کیا ہوگا
موجوں کا سہارا کافی ہے اب اور سہارا کیا ہوگا

اے دیکھنے والو یہ منظر موجوں کے قریب آ کر دیکھو
اس طرح سوادِ ساحِل سے طوفاں کا نظارا کیا ہوگا

کانوں میں مرے جیسے کوئی آواز تمھاری آئی ہے
یہ حُسنِ سماعت ہے میرا تم نے تو پُکارا کیا ہوگا

جیتا تو ہوں تیری یادوں کا لے لے کے سہارا میں لیکن
گرداب میں پھنسنے والے کو تنکے کا سہارا کیا ہوگا

یہ غم کی خلش یہ سوزِ نہاں یہ دردِ دروں یہ اشکِ رواں
آغاز جب ایسا ہے اخترؔ انجام تمھارا کیا ہوگا

☆☆



دل کوئی سہارا اب لے کر شرمندۂ احساں کیا ہوگا
اب درد ہی درماں ہے اپنا اب درد کا درماں کیا ہوگا

ہوجاتی ہے شامِ غم روشن اب میرے جگر کے داغوں سے
یہ انجمِ تاباں کیا ہوں گے یہ ماہِ درخشاں کیا ہوگا

ہوتا ہے ستم جب مجھ پہ کوئی خود عفو ستم کر دیتا ہوں
وہ اپنی جفائے ناحق پر تا حشر پشیماں کیا ہوگا



اک بار تو ٹکرا کر دیکھو کشتی کو بھیانک موجوں سے
یوں راحتِ ساحل کے خوگر اندازۂ طوفاں کیا ہوگا

مسموم فضائے گُلشن ہے پھولوں کا دریدہ دامن ہے
اس سے تو قفس ہی بہتر ہے یہ صحنِ گُلستاں کیا ہوگا

ہر شاخِ چمن ہے افسردہ ہر پھول کا چہرہ پژمردہ
آغاز ہی جب ایسا ہے تو پھر انجامِ بہاراں کیا ہوگا

اے اہلِ طرب افسانۂ غم کہتا ہے غزل کے پردے میں
اِک غم کا سراپا ہے اخترؔ بیچارہ غزل خواں کیا ہوگا





دل میرا اگر رفتہ رفتہ مانوسِ ستم ہو جاتا ہے
یہ حُسن جفا دیکھو اس کا مائل بہ کرم ہو جاتا ہے

ہم ان سے شکایت کیا کرتے روداد شبِ غم کیا کہتے
آتے ہی زباں تک شکرِ کرم ہر شکوۂ غم ہو جاتا ہے

اللہ رے دل بیداد پسند اس درجہ ستم کا خوگر ہے
ہوتا ہے فسردہ جب کوئی مائل بہ کرم ہو جاتا ہے

تم ہو کہ ہے اپنوں پر بھی ستم میں ہوں کہ ہے میرا یہ عالم
دشمن پہ بھی ہو بیداد اگر دل وقفِ الم ہو جاتا ہے

جب وجہ سکونِ دل ہے یہی اخترؔ تو مداویٰ کیا معنی
دل اور تڑپنے لگتا ہے کچھ درد جو کم ہو جاتا ہے







بیداد کا ساماں کرتا ہے مائل بہ جفا ہو جاتا ہے
اظہارِ تمنّا کرتے ہی بندہ بھی خدا ہو جاتا ہے

ہاں یہ بھی طریقہ اچھا ہے تم خواب میں ملتے ہو مجھ سے
آتے بھی نہیں غم خانے تک وعدہ بھی وفا ہو جاتا ہے

پہنچے نہ اذیّت کچھ ان کو ایسا نہ ہو کوئی آنچ آئے
نکلی جو لبوں سے آہ تو دل مصروفِ دعا ہو جاتا ہے

اس رشکِ مسیحا کی اخترؔ میں لاج تو رکھ لیتا ہوں مگر
اِس دردِ جگر کو کیا کہیے کچھ اور سِوا ہو جاتا ہے





لذّتِ درد ابھی تک دلِ نخچیر میں ہے!
ہائے کیا چیز نہاں تیرے سرِ تیر میں ہے

ناز ہے اپنی اسیری پہ دلِ ناداں کو!
جانے کیا بات تیری زلفِ گرہ گیر میں ہے

التفات آنکھوں میں چہرے پہ مروّت کی ضیاء
تجھ[1] میں وہ بات نہیں جو تری تصویر میں ہے

[1] مصرعہ طرح



کیا کروں لے کے مسیحا نفسوں کے احساں
مجھ کو معلوم ہے جو کچھ مری تقدیر میں ہے

جورِ اغیار نہیں اپنوں کی بیداد تو ہے
آج بھی پاؤں مرا حلقۂ زنجیر میں ہے

دیکھ صیّاد ترا عیش نہ برہم ہو جائے
اتنی تاثیر ابھی نالۂ شب گیر میں ہے

دل لیا جان بھی لی اور بھی کچھ باقی ہے
کیوں ترا ہاتھ ابھی قبضۂ شمشیر میں ہے

ایک دھوکا ہے غمِ دل کا مداویٰ اخترؔ
نا مرادی ہی ازل سے مری تقدیر میں ہے





گریۂ غم ہے عبث دیدۂ نم سے پہلے
بے حقیقت ہے مسرّت جو ہو غم سے پہلے

آشنا ہوگئے اس سے بھی یہی کیا کم ہے
سنتے تھے نامِ ستم تیرے کرم سے پہلے

ہم کو الزام تو دیتے ہو محبت کا مگر
تم نے محسوس کیا تھا اِسے ہم سے پہلے







جفاؤں پر بھی میں نے جاں فدا کی
نہ جانی قدر کچھ تو نے وفا کی!

زباں خود کاٹ کر رکھ دوں گا اپنی
اگر تیرے سِتم کی ہوگی شاکی

اگر بگڑے تو شرما جائیں شیطاں
بنے تو پھر فرشتہ ہے یہ خاکی!

تصوّر سے ترے روشن تھی ورنہ
شبِ غم میں وہ تاریکی بلا کی!

زباں رندانہ مضموں عارفانہ
غزل ہے اخترؔ رنگیں نوا کی





یہ ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی یہ سکون بخش سائے
رہِ عشق کے مسافر تجھے نیند آ نہ جائے

یہ چمن، یہ تم، یہ موسم، یہ حسیں گُلوں کے سائے
میرا عہد پارسائی کہیں پھر نہ ٹوٹ جائے

جسے لذّتِ اسیری ہی ازل سے راس آئے
ترے دامِ زلف پُرخم سے کہاں نکل کے جائے



مرا دل پناہ دے گا مرے دل میں سر چھُپائے
ترا تیرِ چشمِ ساقی جو کہیں اماں نہ پائے

یہ کرم نُما نگاہیں یہ وفا نُما تبسُّم!
کوئی جیسے ہلکے ہلکے مرے دل کو گدگدائے

مرے دل پہ ہاتھ رکھ کر مجھے دینے والے تسکیں
کہیں دل کی دھڑکنوں سے تجھے چوٹ آ نہ جائے

یہ خلش، یہ سوزِ پنہاں، یہ جگر کے داغ تاباں
تمھیں منصفی سے کہہ دو کوئی کیسے مُسکرائے

شبِ غم نکل پڑا تھا مرے دل سے ایک نالہ
مُجھے ڈر ہے اُن کو یا رب کوئی آنچ آ نہ جائے

مری شاعری سے رغبت کبھی بے سبب نہیں ہے
اُسے کیا پڑی ہے اخترؔ مرا شعر گُنگُنائے





مرے ساتھ سیرِ چمن کبھی، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ فضا، وہ چاند، وہ چاندنی تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ سرور و کیف کی سرخوشی وہ سرور و نغمہ کی دل کشی
وہ مئے نشاط کی بے خودی تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

پسِ پردہ آنکھ مچولیاں وہ کبھی عیاں وہ کبھی نہاں
وہ نگاہِ شوق کی بے کلی تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

تھیں تمہاری جس پہ نوازشیں کبھی تم بھی جس پہ تھے مہرباں
یہ وہی ہے اخترِؔ مُسلمی تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو







محرمِ رازِ غمِ دل پہ نظر ہو نہ سکی
جوششِ بحر کی ساحل کو خبر ہو نہ سکی

دل کا ہر داغ تو خورشید صفت ہے لیکن
پھر بھی اے دوست شبِ غم کی سحر ہو نہ سکی

کون ہے جس نے مرے حال پہ ماتم نہ کیا
مجھ پہ اِک تم سے عنایت کی نظر ہو نہ سکی

یوں بھی آئے ہو مری خلوتِ خاموش میں تم
اپنے آنے کی تمھیں خود بھی خبر ہو نہ سکی

لبِ خاموش سے اِک آہ نکل آئی تھی
وہ بھی شرمندۂ تاثیر مگر ہو نہ سکی

ایک نکلی تو ہزاروں نے جگہ لی اخترؔ
کبھی تکمیل تمنّائے بشر ہو نہ سکی

☆☆



☆

ناگوار اس کو ہے شرمندۂ احساں ہونا
آ گیا آپ مرے درد کو درماں ہونا

جوشِ وحشت میں مرا حالِ پریشاں ہونا
وہ ترا دیکھ کے انگشتِ بدنداں ہونا

میرا آمادۂ صد چاک گریباں ہونا
ہائے وہ تیرے تصوّر کا نگہباں ہونا

کر دیے سارے ستم چرخِ کہن سے منسوب
مجھ سے دیکھا نہ گیا اُن کا پشیماں ہونا

چاک دامن پہ بڑا ناز ہے ان پھولوں کو
آ کے دیکھیں مرے دامن کا گریباں ہونا

مسندِ عیش پہ ہنسنا تو کوئی بات نہیں!
سیکھ اے دوست سرِ دار بھی خنداں ہونا

موج خونِ دل صد چاک سلامت اخترؔ
کیا بڑی بات ہے زنداں کا گُلستاں ہونا

☆☆



☆

تمہاری بزم کی یوں آبرو بڑھا کے چلے
پیے بغیر ہی ہم پاؤں لڑکھڑا کے چلے!

یہ مَے پرست مئے ناب پی کے بہکیں گے
نگاہِ ساقی سے ہم تو نظر ملا کے چلے!

تمہاری راہ بھی تاریکیوں میں گُم ہوگی!!
مری اُمّیدوں کی شمعیں کہاں بُجھا کے چلے!

شہیدِ ناز کا انجام دیکھتے جاؤ!!
یہ کیا کہ چپکے سے برقِ نظر گرا کے چلے

نقابِ حُسن سلامت بخیر جلوۂ ناز!!
کہاں نظر کا مری حوصلہ بڑھا کے چلے!

یہ وہ چمن ہے جہاں گُل بھی خارِ خصلت ہیں
چمن پرست بھی دامن بچا بچا کے چلے!

بُجھا سکے نہ کبھی میری شمعِ شہرت کو!
یہ تُند جھونکے تو اخترؔ بہت ہوا کے چلے

☆☆



☆

نہ پوچھ میرے دلِ پُر محن پہ کیا گذری
نظر ملی تو ترے بانکپن پہ کیا گذری

ہوا جو غیر کا حال امتحاں کے بعد نہ پوچھ
مجھے بتا کہ ترے حُسنِ ظن پہ کیا گذری

نکالے جانے کی اپنے تو کوئی فکر نہیں!
ہمارے بعد تری انجمن پہ کیا گذری!

چمن کے پھول نہ ہنس میرے چاک دامن پر
ذرا یہ دیکھ ترے پیرہن پہ کیا گذری

کسی کی برقِ تبسّم کا خواب دیکھا تھا
نہ جانے رات ہمارے چمن پہ کیا گذری

مرے جہاں کے ہوئے جب سے تم مہ تاباں!
خُدا ہی جانے کہ چرخِ کہن پہ کیا گذری

بنا کے چھوڑ دیا ہے کسی نے دیوانہ
نہ پوچھ اخترؔ رنگیں سخن پہ کیا گذری

☆☆





رہا نہ ضبطِ غمِ دل اگر تو کیا ہوگا
نہ آہ کا بھی ہوا کچھ اثر تو کیا ہوگا

نہ دیکھ یوں نگہ التفات سے اے دوست
یہ کر گئی جو کہیں دل میں گھر تو کیا ہوگا

یہ تارِ اشکِ مسلسل یہ آہ نیم شبی!
کسی کو ہوگئی اس کی خبر تو کیا ہوگا

متاعِ قلب ونظر جھک کے لوٹ لی اس نے
جو اُٹھ گئی نگہہ فتنہ گر تو کیا ہوگا

مرا نہیں نہ سہی تیرا اختیار تو ہے
رہا نہ دل پہ ترا بھی اثر تو کیا ہوگا

یہ تیری یاد کی محویّتیں ارے توبہ
تو آئے پھر بھی رہوں بے خبر تو کیا ہوگا

ابھی تو ہیں مہ و انجم ہی زد میں انساں کی
یہ بے خبر جو ہوا باخبر تو کیا ہوگا

سجی ہے گوہر فن سے مری غزل اخترؔ
نہ دے گا داد کوئی کم نظر تو کیا ہوگا

☆☆



☆

یہ اب کی بار جو فصلِ بہار گذری ہے
ترے بغیر بہت ناگوار گذری ہے

نہ جانے سَر سے اجل کتنی بار گذری ہے
نہ پوچھ کیسے شبِ انتظار گذری ہے

سکوں ملے گا بھلا بوئے زلف یار سے کیا
ابھی یہیں سے وہ خود بےقرار گذری ہے

نگاہِ دوست ترے غم کی لذّتوں کی قسم
کبھی[1] کبھی تو مُسرّت بھی بار گذری ہے

یہ آرزوے کرم تھی نہ شکوۂ بیداد
نگاہِ شوق تمھیں ناگوار گذری ہے

نشان پڑتے گئے پائے ناز کے تیرے
جہاں جہاں سے نسیم بہار گذری ہے

سرورِ لذّتِ غم میں رہی نہ یاد اخترؔ
وہ زندگی جو بڑی خوش گوار گذری ہے

☆☆

[1] مصرعہ طرح



☆

نہ شیخ کا ہے تذکرہ نہ برہمن کی بات ہے
مِری زباں پہ چند اہلِ مکر وفن کی بات ہے

کسی پہ گُل کی بارشیں کسی کو خار و خس ملے
یہ باغباں کا ظرف ہے چمن چمن کی بات ہے

کسی کو خُم کے خم ملے، کوئی ترس کے رہ گیا !
ہٹاؤ جانے دو تمہاری انجمن کی بات ہے

جو بو الہوس تھے ان کو تم وفا پرست کہتے ہو
چلو یہی سہی تمہارے حُسنِ ظن کی بات ہے

وفا کرو جفا ملے، بھلا کرو بُرا ملے
ہے ریت دیش دیش کی چلن چلن کی بات ہے

ستم بھی اخترؔ اپنوں سے جو ہوں تو بھول جایئے
بھلی ہو یا بُری سب اپنے ہی وطن کی بات ہے

☆☆



☆

یوں تو اپنے آپ کو ہم فریب دیتے ہیں
حُسن کے مزاج کو کون جانتا نہیں

مجھ پہ ہو کہ غیر پر، ہے تو لُطف کی نظر
سب وفا پرست ہیں کوئی بے وفا نہیں!

کس طرح میں آپ سے عہدِ ضبطِ غم کروں
اس پہ اختیار کیا دل تو مانتا نہیں

اپنی دھن میں ہو کے گُم میں کہاں نکل گیا!
اہلِ کارواں کا تو دور تک پتا نہیں!

اخترِؔ تباہ سے نہ یوں گریز کیجیے
حال ہی بُرا ہے صرف، آدمی بُرا نہیں

☆☆



تصویرِ وفا بن کے مرا نقش ہے دل میں
یوں لب پہ کسی کے مرا نام آئے نہ آئے

آج اے دلِ بیتاب تو جی بھر کے تڑپ لے
کیا اس کی خبر پھر کوئی شام آئے نہ آئے

میرے ہی لیے باعثِ آزار تھا اخترؔ
کم بخت یہ دل اُن کے بھی کام آئے نہ آئے







نالے مرے جب تک مرے کام آتے رہیں گے
اے ذوقِ نظر وہ لبِ بام آتے رہیں گے

اے ذوقِ طلب تو جو سلامت ہے تو کیا غم
لب تک مرے خود جام پہ جام آتے رہیں گے

دل زندہ اگر ہو تو پھر اے زیست کے طالب
ہر گام پہ جینے کے پیام آتے رہیں گے

منزل کی تمنّا ہے تو ٹھکرا کے نکل جا
صیّاد لیے دانہ و دام آتے رہیں گے

کھا جاؤ نہ دھوکا کہیں منزل کے گماں پر
رستے میں کچھ ایسے بھی مقام آتے رہیں گے

اخترؔ اگر آباد رہے گُل کدۂ دل!
پھر اس میں تو کچھ مست خرام آتے رہیں گے

☆☆



☆

ہم اہلِ دل ہیں تابشِ داغِ جگر لیے
شامِ الم ہے جلوۂ حُسنِ سحر لیے

جلوے ترے اسیر نہ ہوجائیں دیکھنا
اہلِ ہوس ہیں گھات میں دامِ نظر لیے

اُن کے لبوں پہ برقِ تبسُّم تھی جلوہ ریز
پلکیں تھی میری چند درخشاں گُہر لیے

یہ خونِ دل یہ نخلِ تمنّا یہ دشتِ عشق
ہم جی رہے ہیں دل میں اُمّیدِ ثمر لیے

صحرا بہ صحرا ڈھونڈتی پھرتی ہے اب کسے
تیرا پیام زیست نسیمِ سحر لیے

دامن ہو داغدار مبادا نہ پونچھئے
یہ اشکِ غم ہیں سرخیِ خونِ جگر لیے

بیٹھا ہوں خاک چھان کے دیر و حرم کی میں
کس سمت جا رہا ہے مجھے راہبر لیے

کیا فکر اختر آبلۂ دل کی اب مجھے
ہیں چشمِ دوستاں بھی سرِ نیشتر لیے

☆☆



☆

ٹکڑے ہوا کئے ہیں دلِ بے قرار کے
پوچھو نہ کیسے گزرے ہیں دن انتظار کے

دل میرا داغ دار ہے گُلشن ہے لالہ زار
دیکھے تو کوئی یہ بھی کرشمے بہار کے

تو خود بھی ہو نہ جائے کہیں مبتلائے غم
تسکین دینے والے دلِ سوگوار کے

احساس دل کو ہوتا ہے اک اُنس خاص کا
ملتے ہیں لوگ جب کبھی ان کے دیار کے

اختر یہ کیا تھا کم کہ غمِ عشق بھی ملا
ہم تو اسیر تھے ہی غمِ روزگار کے

☆☆



ہیں پلکوں پہ لرزاں نہ ٹوٹیں نہ ڈوبیں!
بڑی کشمکش میں ہیں آنسو اُبل کے

چھپاتی رہیں رازِ غم زندگی بھر
مری آہیں نغموں کے سانچے میں ڈھل کے

نہ دنیا کے لائق نہ عقبیٰ کے قابل!!
کہاں تیری محفل سے جائیں نکل کے



خبر بھی ہوئی آگہی کو نہ میری
وہ یوں دل میں آئے دبے پاؤں چل کے

کہیں میری توبہ نہ پھر ٹوٹ جائے
وہ اٹھیں گھٹائیں وہ پھر جام چھلکے

خبر کیا تھی اخترؔ بدل جائے گا خود
کوئی رُخ مری زندگی کا بدل کے





تری جفا پہ گمانِ وفا کیا میں نے
گناہِ عشق کی یوں جھیل لی سزا میں نے

رہِ وفا میں لٹا کر متاعِ قلب و جگر
کیا ہے تیری محبت کا حق ادا میں نے

ہجومِ غم میں نکل آئی ہے جو آہ کبھی
تو کی ہے بے اثری کی بھی پھر دعا میں نے



وفا ہو یا کہ جفا جو بھی مل گیا تم سے
ہر اک کو سینے سے اپنے لگا لیا میں نے

جلا کے دل میں تری شمعِ آرزو اے دوست
ہر اک چراغِ تمنّا بجھا دیا میں نے

کسی کی چشمِ ندامت سے پالیا اخترؔ
تمام حسرتِ ناکام کا صلہ میں نے

☆☆



جو کہیں فریب کھایا مرے ذوقِ جستجو نے
وہیں کی ہے رہنمائی تری شمعِ آرزو نے

وہ عجیب رنگ بخشا ہے خجلِ شفق کی سُرخی
میرے عشق سادہ دل کو ترے حُسن لالہ رو نے

جو پڑے ہیں میرے دامن پہ نشانِ اشکِ رنگیں
دلِ خوں شدہ کے میرے یہ تمام ہیں نمونے



ہوا کارگر نہ کوئی کیے کتنے کتنے افسوں!
تری ایک خامشی پر مری لاکھ گفتگو نے

نہ گئی مہک ابھی تک میرے زخم ہائے دل کی
کیا اس قدر معطّر تری زلفِ مشکبو نے

مری تجھ سے خاص نسبت کا بھرم گنواں دیا ہے
تری چشمِ خشمگیں نے مرے خونِ آرزو نے

کوئی جیسے اخترؔ اخترؔ کی صدائیں دے رہا ہے
مرے کان بج رہے ہیں کہ مجھے پُکارا تو نے



☆

جس کو زہرِ غم کا پینا آ گیا
اس کو جینے کا قرینہ آ گیا

ہائے رے اُن کی نگاہِ خشمگیں
آرزوؤں کو پسینہ آ گیا

شوق سے مَشقِ ستم فرمائیں آپ
اب مجھے مر مر کے جینا آ گیا

ڈوب جانے کی تمنّا رہ گئی
اب تو ساحل تک سفینہ آ گیا

☆☆



☆

روشنی ہونے لگی دل کے قریب
شاید آ پہنچے ہیں منزل کے قریب

دور جانے والے آنکھوں سے مری
اور بھی تم آ گئے دل کے قریب

بے وفا آنکھوں نے رستہ دے دیا
راہ زن آ ہی گیا دل کے قریب

کچھ نہ تھا منظور جُز ذوقِ طلب
لوٹ آئے جا کے منزل کے قریب

ہم نے رکھ لی ڈوب کر طوفاں کی لاج
ورنہ آ پہنچے تھے ساحل کے قریب

اخترؔ اُف اُن کے تبسّم کا خیال
کوند اٹھیں بجلیاں دل کے قریب

☆☆



☆

لوگ یوں رازِ تعلق پا گئے
تذکرہ میرا تھا تم شرما گئے

پُرسشِ غم آپ یوں فرما گئے
جام میرے ضبط کا چھلکا گئے

کیا ستم ہے آئے بیٹھے چل دیئے
تم تو آ کر اور بھی تڑپا گئے

کیا خبر تھی سنگ دل نکلو گے تم
ہم تو اِس صورت سے دھوکا کھا گئے

ان کی زلفیں ہی نہ سلجھیں اور ہم
داستانِ زندگی دہرا گئے

اس نے دیکھا مجھ کو اس انداز سے
کچھ جبینوں پر کئی بل آ گئے

ہم کو سودا عشق کا مہنگا نہیں
کھوئے کچھ اس راہ میں کچھ پا گئے

☆☆



# قطعہ تاریخ طبع مجموعۂ کلام اخترؔ مسلمی

الموسوم بہ موج نسیم
از جناب رحمت الٰہی صاحب برقؔ صِدّیقی اعظمیؒ
تلمیذ تاج الشعرائے ناخدائے سخن، فصیح العصر، حضرت نوح ناروی
(مدظللہ العالی)
جانشین حضرت داغؔ دہلوی مرحوم

چھپ گیا لو کلامِ اخترؔ آج — خوش نہ کیوں کر ہوں شاعرانِ زمن
جو غزل اس کی ہے وہ جانِ غزل — جو سخن اس کا ہے وہ روحِ سخن
ہے مضامیں کی ایسی گل کاری! — جیسے قرطاس پر کھِلا ہو چمن
اس کی تاریخ طبع کے مصرعے — نکلے ہیں خوب خوب از رہِ فن
ہجری و عیسوی کا ہے جامع — اخترؔ مسلمی شہیرِ وطن

۱۳۸۱ھ + ۵۸۰
۱۹۶۱ء

برقؔ مطلوب عیسوی ہو اگر
دیکھ موجِ نسیم باغِ سخن

۳۹ ۴۹ ۱۶۰ ۱۰۰۳ ۷۱۰

۱۹۶۱ء

# موج صبا



اے طوفانِ حوادث ہم کو یہ نہ سمجھ انجانے ہیں!
تو نہ ہمیں پہچانے لیکن ہم تو تجھے پہچانے ہیں!

تیرا بھلا ہو گردشِ دوراں خوب ترے پیمانے ہیں
اب دیوانے فرزانے ہیں فرزانے دیوانے ہیں

یہ اپنا ہے یا بے گانہ اہلِ خرد پہچانے ہیں
ہم تو دیوانے ہیں یارو سب کو اپنا جانے ہیں

جامہ آج کے انسانوں کا کیا پوچھو ہو کیسا ہے
خلق و مروّت کے تانے ہیں بغض و حسد کے بانے ہیں

آج کے دور میں ناممکن ہے دانے ہوں اور دام نہ ہو
طائرِ دل یہ خوش فہمی ہے دام نہیں ہیں دانے ہیں

چوراہے سُنسان پڑے ہیں سڑکوں پر سنّاٹا ہے
اِن شہروں سے بارونق تو صحرا ہیں ویرانے ہیں

روک نہ لیں رستے میں تجھ کو اپنی جانب کھینچ نہ لیں
سوئے حرم اے جانے والے راہ میں کچھ بُت خانے ہیں

کیوں خائف کرتا ہے ناصح کیا مجھ کو سمجھاتا ہے
راہِ طلب میں جو کانٹے ہیں سب جانے پہچانے ہیں

اخترؔ اپنے بھی بیگانے ہوجاتے ہیں مصیبت میں
بے گانوں کا ذکر ہی کیا ہے بیگانے بیگانے ہیں

☆☆



☆

تم اپنی زباں خالی کر کے اے نکتہ ورو پچھتاؤ گے
میں خوب سمجھتا ہوں اس کو جو بات مجھے سمجھاؤ گے

اک میں ہی نہیں ہوں تم جس کو جھوٹا کہہ کر بچ جاؤ گے
دنیا تمھیں قاتل کہتی ہے کس کو کس کو جھٹلاؤ گے

یا راحتِ دل بن کر آؤ یا آفتِ دِل بنکر آؤ!
پہچان ہی لوں گا میں تم کو جس بھیس میں بھی تم آؤ گے

ہر بات بساطِ عالم میں مانند صدائے گنبد ہے
اوروں کو بُرا کہنے والو تم خود بھی بُرے کہلاؤ گے

پھر چین نہ پاؤ گے اخترؔ اس درد کی ماری دنیا میں
اس در سے اگر اُٹھ جاؤ گے در، در کی ٹھوکر کھاؤ گے

☆☆

☆

باقی ہے میرے واسطے اور کوئی جفا کہ بس[1]
کیا ابھی آزمائیں گے آپ مری وفا کہ بس

ذکر شبِ فراق کا میری زباں پہ آ گیا
ایک ذرا سی بات پر اتنا ہے وہ خفا کہ بس

رہ گئی دل میں دل کی بات فرصتِ گفتگو نہ دی
آنے کو آئے وہ مگر ایسے رکابِ پا کہ بس

[1] مطلع میں ایطا ہے مگر میں اس کو روا سمجھتا ہوں



اس نے بتا پیامبر سُن کے دل حزیں کا حال
"رحم کرے خدا" کے بعد اور بھی کچھ کہا کہ بس

جلوہ بھی اس کا پردہ ہے پردہ بھی اس کا جلوہ ہے
ایسی نظر فریب ہے اس کی ہر اک ادا کہ بس

غیر بھی اپنے تھے کبھی اپنے بھی آج غیر ہیں!
اب تو مزاجِ آدمی اتنا بدل گیا کہ بس

چہرے تمام زرد ہیں، آئینے گرد گرد ہیں
صحنِ جہاں میں دوستو ایسی چلی ہوا کہ بس

صبر و قرارِ دل مرے جانے کہاں چلے گئے
بچھڑے ہوئے نہ پھر ملے ایسے ہوئے جدا کہ بس

ایک خطائے عشق پر ہجر کی یہ صعوبتیں
اخترِ بدنصیب کو ایسی ملی سزا کہ بس

☆☆



اُڑ جاؤں نہ میں دھجی بن کر احساس کی تُند ہواؤں میں
کس طرح پہناؤں زنجیریں سرکش جذبات کے پاؤں میں

اِن سرد پھواروں سے ہمدم تن من میرا جل جائے گا
پانی نہیں آگ کے شعلے ہیں ساون کی گھور گھٹاؤں میں

ایسا نہ ہو میرے سر پہ کہیں پھر یاس کے بادل چھا جائیں
جاتے تو ہو بیٹھا کر مجھ کو تم آس کی ٹھنڈی چھاؤں میں



جذبات کا بڑھتا طوفاں ہے تم روک نہ پاؤ گے اس کو
ہاتھوں میں لگا کر ہتھکڑیاں زنجیر پنہا کر پاؤں میں

دیہات کے بسنے والے تو اخلاص کے پیکر ہوتے ہیں
اے کاش نئی تہذیب کی رَو شہروں سے نہ آتی گاؤں میں

کچھ اہلِ بصیرت ہی اخترؔ اس راز کی تہہ تک پہنچیں گے
اک تلخ حقیقت ہے پنہاں میری پُر کیف نواؤں میں

☆☆



کہاں جائیں چھوڑ کے ہم اُسے کوئی اور اس کے سوا بھی ہے
وہی دردِ دل بھی ہے دوستو وہی دردِ دل کی دوا بھی ہے

مری کشتی لاکھ بھنور میں ہے نہ کروں گا میں تری منّتیں
یہ پتا نہیں تجھے ناخُدا میرے ساتھ میرا خدا بھی ہے

یہ ادا بھی اس کی عجیب ہے کہ بڑھا کے حوصلۂ نظر
مجھے اذنِ دید دیا بھی ہے مرے دیکھنے پہ خفا بھی ہے



مری سمت محفلِ غیر میں وہ ادائے ناز سے دیکھنا
جو خطائے عشق کی ہے سزا تو میری وفا کا صلہ بھی ہے

جو ہجومِ غم سے ہے آنکھ نم تو لبوں پہ نالے ہیں دم بدم
اسے کس طرح سے چھپائیں ہم کہیں رازِ عشق چھپا بھی ہے

یہ بجا کہ اخترِؔ مسلمی ہے زمانے بھر سے بُرا مگر
اسے دیکھیے جو خلوص سے تو بھلوں میں ایک بھلا بھی ہے





فریب کاریِ انساں سے ڈر لگے ہے مجھے
پیامِ امن کے عنواں سے ڈر لگے ہے مجھے

اندھیرے لاکھ غنیمت ہیں اس اُجالے سے
جدید شمعِ فروزاں سے ڈر لگے ہے مجھے

کچھ اس طرح کے بہاروں نے گُل کِھلائے ہیں
کہ اب تو فصلِ بہاراں سے ڈر لگے ہے مجھے



علاجِ دردِ زمانہ بھی لازمی ہے مگر
مسیحِ وقت کے درماں سے ڈر لگے ہے مجھے

بصیرتوں کو یہ معدوم کر نہ دے ہمدم
تجلّیات کے طوفاں سے ڈر لگے ہے مجھے

نہ جانے اس کا صلہ کیا طلب کرے مجھ سے
ندیمِ وقت کے احساں سے ڈر لگے ہے مجھے

کب اہلِ کفر کی پروا ہے واعظِ ناداں
تمھارے جیسے مسلماں سے ڈر لگے ہے مجھے

جلیں گے کتنے نشیمن نہ پوچھیے اخترؔ
چمن میں جشنِ چراغاں سے ڈر لگے ہے مجھے



☆

ہر ایک چہرہ مجھے سوگوار لگتا ہے
میں دیکھتا ہوں جسے بے قرار لگتا ہے

ق

یہ کیا کیا نئی تہذیب نے کہ اب انساں
خود اپنے گھر میں غریب الدّیار لگتا ہے

کسی کو فکر نہیں زخمیوں کے مرہم کی
جسے بھی دیکھیے نامہ نگار لگتا ہے

اُتار دے گا نقاب اپنی انتخاب کے بعد
یہ شخص آج بڑا خاکسار لگتا ہے



وہ دوسروں کے لیے کیوں زباں پہ لاتے ہیں
جو لفظ آپ کو خود ناگوار لگتا ہے

اثر دکھا ہی دیا میری بے گناہی نے
ستم پہ اپنے وہ کچھ شرمسار لگتا ہے

عجیب درس ملا ہے مجھے اخوّت کا
دیارِ غیر بھی اپنا دیار لگتا ہے

کسی کی چشمِ عنایت کا فیض کیا کہنا
بڑا حسین دلِ داغدار لگتا ہے

ربابِ دل پہ کوئی نغمہ چھیڑ دے اخترؔ
کہ موسم آج بڑا خوشگوار لگتا ہے

☆☆



جو ماہتاب چمکتا دکھائی دیتا ہے
یہ کیا ہے اور ہمیں کیا دکھائی دیتا ہے

ق

کریں تو کیسے کریں اعتبار ان آنکھوں پر
سراب بھی ہمیں دریا دکھائی دیتا ہے

خلوص دل کا پتہ پاؤ گے نہ چہرے سے
خراب پھل بھی تو اچھا دکھائی دیتا ہے



نہ جانے حشر کا میداں ہے یہ کہ دنیا ہے
جسے بھی دیکھیے تنہا دکھائی دیتا ہے

ہر اک میں عیب کے آثار ڈھونڈھنے والے
مثل ہے جیسے کو تَیسا دکھائی دیتا ہے

سیاہ رنگ کی عینک اُتار کر دیکھو
یہ شخص اب تمہیں کیسا دکھائی دیتا ہے

نشانِ راہ اندھیروں میں گُم نہ ہوجائے
بڑھے چلو ابھی رستہ دکھائی دیتا ہے

اِک انجمن تھی کبھی اخترؔ خراب کی ذات
اب انجمن میں اکیلا دکھائی دیتا ہے





اب راہزن کو راہ نما کہہ رہے ہیں لوگ
حیراں ہوں دوستو کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں لوگ

اس درجہ بے ضمیر ہیں اللہ کی پناہ
اُن کی ہر اک جفا کو وفا کہہ رہے ہیں لوگ

جس درد سے لبوں پہ ہے انسانیت کی جاں
اُس درد ہی کو آج دوا کہہ رہے ہیں لوگ



کچھ امتیاز شعلہ و شبنم نہیں انھیں
بادِ سموم کو بھی صبا کہہ رہے ہیں لوگ

کیا دیکھتے نہیں کہ سُلگتے ہیں آشیاں
چھایا ہوا دھواں ہے گھٹا کہہ رہے ہیں لوگ

اخترؔ فتورِ عقل نہیں ہے تو کیا ہے یہ
کشتی کے ناخدا کو خدا کہہ رہے ہیں لوگ





تہذیبِ نَو کے لوگ وہ خوش پوش ہوگئے
بارِ لباس سے بھی سُبکدوش ہوگئے

دورِ خرد میں اہلِ خرد کا پتہ نہیں
سائے میں اپنی عقل کے روپوش ہوگئے

رکھتا ہے کون دیکھیے اب میکدے کی لاج
تھے بادہ نوش جتنے حیا نوش ہوگئے

اپنوں نے وہ سلوک کیا مجھ سے دوستو
اغیار کے ستم بھی فراموش ہوگئے

اخترؔ ملے گی خاک زمانے سے دادِ عشق
اہلِ وفا بھی اب تو جفا کوش ہوگئے





## ایک خاص پس منظر میں



گل ولالہ ہیں نہ طیور ہیں سبھی اس چمن سے چلے گئے
ہوئے کس عذاب میں مبتلا کہ یہ خود وطن سے چلے گئے

وہ نیاز ہے، نہ وہ ناز ہے، نہ وہ سوز ہے، نہ وہ ساز ہے
یہ بتا کہ اہلِ وفا کہاں تری انجمن سے چلے گئے

نہ جفا تھی میرے لیے جفا نہ ستم کو میں نے ستم کہا
جو گماں تھے تیری اداؤں پر مرے حسنِ ظن سے چلے گئے

نہ وہ رنگ ہے، نہ وہ نور ہے، نہ وہ دل کشی کا سرور ہے
یہ نہ جانے کس لیے روٹھ کر گل و یاسمن سے چلے گئے

ترے غم کے ساتھ چلی گئی نہ رہی وہ رونقِ زندگی
سبھی عکس حسنِ خیال کے مرے فکر و فن سے چلے گئے

کہو اُس سے اخترِؔ مسلمی نہ رہے گی پھر یہ ہما ہمی
جو خدا نہ خواستہ ہم کبھی تری انجمن سے چلے گئے

☆☆



## ایک خاص پس منظر میں

☆

ساری دنیا جو خفا ہے تو خفا رہنے دو
میرے ہونٹوں پہ مگر حق کی صدا رہنے دو

دوستو مجھ کو پرستارِ خدا رہنے دو
اہلِ بُت خانہ خفا ہیں تو خفا رہنے دو

میرے اظہارِ حقیقت پہ جہاں میں یارو
ایک ہنگامہ بپا ہے تو بپا رہنے دو

کرکے آمیزشِ باطل نہ کرو مسخ اسے
حق اگر حق ہے تو باطل سے جُدا رہنے دو

ظلمتِ کفر میں گُم ہوگئے راہوں کے نقوش
دیدۂ شوق میں ایماں کی ضیا رہنے دو

شاید آجائے کوئی نورِ بصیرت کی کِرن
ذہن کا اپنے دریچہ تو کھلا رہنے دو

کون جانے کہ یہی درد دوا بن جائے
بڑھ گیا درد جو حد سے تو بڑھا رہنے دو

روشنی پھیلے گی سمٹے گا اندھیرا اخترؔ
مت بجھاؤ یہ اُمّیدوں کا دیا رہنے دو

☆☆



☆

جبینِ ناز تری خاکسار ہو تو سہی
کیے پہ اپنے کبھی شرمسار ہو تو سہی
ق
برس پڑیں گی گھٹائیں امنڈ کے رحمت کی
تو سر جھکا کے ذرا اشکبار ہو تو سہی

زمانہ تیرے لیے بے قرار ہوجائے
تو دوسروں کے لیے بے قرار ہو تو سہی

کشِش خلوص کی خود کھینچ لائے گی اس کو
کسی کا دل سے تجھے انتظار ہو تو سہی

نہ گُل کھِلیں گے کہ کلیاں نہ مُسکرائیں گی
بہار کہتے ہو جس کو بہار ہو تو سہی

ہر ایک شے ہو تیرے اختیار میں اخترؔ
تو پہلے تابعِ پروردگار ہو تو سہی

☆☆





بغیر سجدہ گذارے کہیں مفر بھی نہیں
اس آستاں کے سوا کوئی سنگِ در بھی نہیں

تم ایک پل کے لیے دل میں آئے اور چلے
تمہارا گھر یہ نہیں ہے تو رہ گذر بھی نہیں

سنا دوں تم کو سرِ راہ چند لفظوں میں
فسانۂ غمِ دل اتنا مختصر بھی نہیں

جنوں میں نام ترا لب تک آ نہیں سکتا
میں بے خبر ہوں مگر اتنا بے خبر بھی نہیں

جہانِ غیر میں ڈوبے نہ آفتاب کبھی
مرے نصیب میں اِک لمحۂ سحر بھی نہیں

یہ کوہسار مہ و خور یہ وادئ شب و روز
سفر ہے سخت بہت، کوئی ہم سفر بھی نہیں

بتاؤ لوگو یہ کیسا جمود طاری ہے
تمہارے شہر میں کیا کوئی فتنہ گر بھی نہیں

نہ ملتفت ہو ابھی اور بات ہے اخترؔ
ہمارے حال سے لیکن وہ بے خبر بھی نہیں

☆☆



☆

نہ عزّ و جاہ سے پایا نہ مال و زر سے ملا
سکونِ دل جو ملا تیرے سنگِ در سے ملا

جو باخبر تھے وہ دیتے رہے فریب مجھے
ترا پتہ جو ملا ایک بے خبر سے ملا

بہت نقوش نظر آئے مجھ کو عبرت کے
وہ منزلوں سے نہ پایا جو رہ گزر[1] سے ملا

[1] یہ حفیظ میرٹھی کا مصرعہ ہے۔

کہاں نصیب ہوا نغمہ ہائے شیریں سے
نشاطِ دل جو مجھے نالۂ سحر سے ملا

یہ رحمتوں کی گھٹائیں عنایتوں کا ہجوم
نہ جانے آپ کو کیا میری چشمِ تر سے ملا

کچھ اور ہو گئے شاداب زخم ہائے جگر
نہ پوچھیے جو مجھے میرے چارہ گر سے ملا

نہ چل پڑا وہ تیری سمت وائے محرومی
ترا پیام جسے تیرے نامہ بر سے ملا

عناد و بغض کو دل میں جگہ نہ دی میں نے
خلوصِ دل سے ملا جب کسی بشر سے ملا

جو راز پالے دلِ بے قرار کا اخترؔ
نظر ملا تو کسی صاحبِ نظر سے ملا

☆☆



☆

مصلحت کیا ہے مصائب میں مشیّت جانے
بندگی کا تو تقاضا ہے کہ رحمت جانے

ہر ادا سے ہو جسے پیار وفا ہو کہ جفا
وہ اذیّت کسے سمجھے، کسے راحت جانے

کیسے مائل بہ کرم ہو میری جانب وہ ندیم
اضطرابِ دلِ مضطر کو جو وحشت جانے

ہم کو اس سے عبث اُمّید ہے دلداری کی
حسنِ اخلاق جو سمجھے نہ مروّت جانے

کس طرح قعرِ مذلت سے نکل سکتا ہے
وائے افسوس جو پستی ہی کو رفعت جانے

ہر نفس موت کا پیغام ہے انساں کے لیے
فرصتِ چند نفس کو بھی غنیمت جانے

خضر کی عمر بھی مل جائے تو کیا ہے اس کو
جو ہر اک لحظۂ ہستی کی نہ قیمت جانے

عمر تو ہم نے گناہوں میں بسر کی اخترؔ
حال عقبیٰ کا اب اللہ کی رحمت جانے

☆☆



☆

ناآشنائے درد بھی ہے آشنا بھی ہے
وہ پیکرِ وفا ہے مگر بے وفا بھی ہے

دھوکا نہ کھاؤ سادگیٔ حُسن دیکھ کر
اس کی ہر اِک ادا میں جفا بھی وفا بھی ہے

راس آئے تو کرم ہے نہ راس آئے تو ستم
کہتے ہیں جس کو عشق جزا بھی سزا بھی ہے

ایسا نہیں کہ اس کا پتہ ہی نہ چل سکے
یہ تو بتاؤ دل سے کوئی ڈھونڈتا بھی ہے

مانگوں میں دردِ دل کی دوا کس سے اے خدا
تیرے سوا جہاں میں کوئی دوسرا بھی ہے

ڈرتا ہوں اس لیے کہ سراپا گناہ ہوں
لیکن ترے کرم کا مجھے آسرا بھی ہے

اخترؔ ہے کس کی چشمِ عنایت سے فیض یاب
اک رند بادہ نوش بھی ہے پارسا بھی ہے

☆☆



☆

جس کو یہ اہلِ ہوس جور و جفا کہتے ہیں
ہم وفا کیش اسے حسنِ ادا کہتے ہیں

لائقِ داد ہے دیوانوں کی خوش فہمی بھی
اس کے اندازِ تغافل کو ادا کہتے ہیں

جرم ہے جرم وفاؤں کے صلہ کی اُمّید
عشق میں عرضِ تمنا کو خطا کہتے ہیں

پرسشِ حال پہ کیا حال بتاؤں اپنا
آپ تو ذکرِ شبِ غم کو گلہ کہتے ہیں

عضو بیمار ہے دل درد سے خالی ہے اگر
اہلِ دل دردِ محبت کو دوا کہتے ہیں

آپ خود اپنے کو جو چاہیں وہ سمجھیں لیکن
یہ بھی تو دیکھیے لوگ آپ کو کیا کہتے ہیں

عیب سے پاک بشر ہو تو بشر ہی کیا ہے
خوب کہتے ہیں جو اخترؔ کو برا کہتے ہیں

☆☆



☆

آنسوؤں کے طوفاں میں بجلیاں دبی رکھنا
سرد سرد آہوں میں گرمیاں دبی رکھنا

کیفیتِ غمِ دل کی ہو عیاں نہ چہرے سے
پردۂ تبسّم میں تلخیاں دبی رکھنا

کون سننے والا ہے بےحسوں کی دنیا میں
اپنے غم کی سینے میں داستاں دبی رکھنا

کس قدر انوکھا ہے شیوہ اہلِ دنیا کا
میٹھی میٹھی باتوں میں تلخیاں دبی رکھنا

خوب ہے تمھارا بھی یہ کمالِ فن اخترؔ
سادہ سادہ شعروں میں شوخیاں دبی رکھنا

☆☆



آلودۂ غبار ہے آئینۂ حیات
اے گردشِ زمانہ کوئی تازہ واردات

ذرّوں پہ خندہ زن ہو نہ خورشید کائنات
ہے اس کو کب ثبات جو ان کو نہیں ثبات

پی جاؤ اس کو گھول کے جامِ شراب میں
حد سے گزر گئی ہو اگر تلخیٔ حیات



گھبرا کے مر تو جائیں غمِ زندگی سے ہم
مر کر بھی زندگی سے نہ پائیں اگر نجات

انساں کے دل کا حال بھی کتنا عجیب ہے
مانے تو ایک بات نہ مانے تو لاکھ بات

رنگتے ہیں لوگ اس کو فسانہ کے رنگ میں
لاتا ہے کون لب پہ محبت کے واقعات

اخترؔ زباں سے بھی نہ کرو اس سے عرضِ حال
چہرے سے جو سمجھ نہ سکے دل کی کیفیات



## ایک خاص پس منظر میں

☆

صاحبِ قدرت و اربابِ قضا ہو تم لوگ
یعنی انسان کے پردے میں خدا ہو تم لوگ

ہم ہیں اک ایسی خطا جس کو نہ بخشا جائے
جھیل پائیں نہ جسے ہم وہ سزا ہو تم لوگ

میرے کردار میں مضمر ہے تمہارا کردار
دیکھ کر کیوں مری تصویر خفا ہو تم لوگ



کیوں زمانے کو مسیحائی کا دیتے ہو فریب
درد جو اور بڑھا دے وہ دوا ہو تم لوگ

مجھ کو اک ٹوٹا ہوا شیشہ سمجھنے والو
اسی ٹوٹے ہوئے شیشے کی صدا ہو تم لوگ

اس طرح اخترِؔ برباد پہ ہنسنے والو
جیسے کچھ اور بھی انساں کے سوا ہو تم لوگ

☆☆



نہ تو راحتوں کی خوشی مجھے نہ اذیّتوں کا ملال ہے
جو ترے خیال میں محو ہے اسے کب کسی کا خیال ہے

میں کھڑا ہوں مہرِ بلب اِدھر وہ اُدھر ہیں پیکرِ خامشی
وہ مقامِ عشق ہے یہ جہاں نہ جواب ہے نہ سوال ہے

میں رضائے ساقی پہ ہوں فدا مجھے کیا حرام و حلال سے
وہ نہ دے تو بادہ حرام ہے وہ عطا کرے تو حلال ہے



یہ شکستہ دل کو بھی جوڑ دے وہ شگفتہ دل کو بھی توڑ دے
یہ مری نظر کا کمال ہے وہ تری نظر کا کمال ہے

میں فدا ہوں تیری جفا پہ بھی تجھے شک ہے میری وفا پہ بھی
نہ مری وفا کا جواب ہے نہ تری جفا کی مثال ہے

مجھے اُلجھنوں میں نہ ڈال دو مری بات ہنس کے نہ ٹال دو
تمھیں مشق ناز کا شوق ہے، مری زندگی کا سوال ہے

مری شاعری کا یہ بانکپن، یہ جمال شعر و کمال فن
سب انھیں کا فیض کمال ہے سب انھیں کا عکس جمال ہے





دل ہی رہِ طلب میں نہ کھونا پڑا مجھے
ہاتھ اپنی زندگی سے بھی دھونا پڑا مجھے

اک دن میں ہنس پڑا تھا کسی کے خیال میں
تا عمر اتنی بات پہ رونا پڑا مجھے

اک بار ان کو پانے کی دل میں تھی آرزو
سو بار اپنے آپ کو کھونا پڑا مجھے



برباد ہوگیا ہوں مگر مطمئن ہے دل
شرمندۂ کرم تو نہ ہونا پڑا مجھے

دیکھی گئی نہ مجھ سے جو طوفاں کی بے بسی
کشتی کو اپنی آپ ڈبونا پڑا مجھے

جلوے کہاں کسی کے، بساطِ نظر کہاں
ذرّے میں آفتاب سمونا پڑا مجھے

اخترؔ جنونِ عشق کے ماروں کو دیکھ کر
اہلِ خرد ہنسے ہیں تو رونا پڑا مجھے





میں گلہ اگر کروں گا اسے ناروا کہو گے
جو ستم سے مر گیا تو مجھے بے وفا کہو گے

مجھے تم سے ہے جو نسبت اسے اور کیا کہو گے
کرم آشنا نہیں تو سِتم آ شنا کہو گے

مرے دل کی اُلجھنوں کو مری چشمِ نم سے پوچھو
میں زباں سے کچھ کہوں گا تو اُسے گلہ کہو گے



یہ نہ جانے کون گذرا ابھی جادۂ نظر سے
وہ عجیب نقش پا ہے کہ تم آئینہ کہو گے

میں تو پوجتا ہوں ناصح کسی بُت کو بُت سمجھ کر
تمھیں سابقہ پڑے گا تو اُسے خدا کہو گے

میں بتا ہی دوں نہ اخترؔ تمھیں رازِ نیک نامی
وہ بُرا نہیں کہے گا جسے تم بھلا کہو گے





پیرِ مئے خانہ ہو جب ساقیٔ پُرفن کی طرح
رند پھر اُلجھیں نہ کیوں شیخ و برہمن کی طرح

کیا سنواریں گے یہ فنکار زمانے کا چلن
ان کا کردار بھی سنورے نہ اگر فن کی طرح

ہیں ترے دل کی طرح داغ مرے دامن پر
دل مگر صاف ہے ناصح ترے دامن کی طرح



ریگ زاروں کی طرح خشک پڑی ہیں اب تو
ہاں برستی تھیں یہ آنکھیں کبھی ساون کی طرح

کیا کہوں کتنا ہے غم اپنے نشیمن کا مجھے
خود بکھر جاؤں نہ میں خاکِ نشیمن کی طرح

کون گُل پیرہن آیا ہے بتاؤ لوگو
شہر کا شہر مہک اُٹھا ہے گُلشن کی طرح

میری نظروں میں تو کوئی نہیں دشمن اخترؔ
لوگ کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے دشمن کی طرح





پستیاں اپنا مقدر ہیں تو ہمت ہے بلند
زندگی میری ہے صحرا کے بگولوں کی طرح

ہم کبھی اُبھرے تھے خورشیدِ حقیقت بن کر
اب وجود اپنا ہے موہوم ہیولوں کی طرح

اے چمن والو ہمیں سے ہے چمن کی زینت
کاٹ کر پھینک نہ دو ہم کو ببولوں کی طرح

کیا سکوں بخشیں گے بے چارے شبِ غم مجھ کو
یہ ستارے ہیں مرے دل کے پھپھولوں کی طرح







کون رہتا ہے مکانوں میں مکینوں کی طرح
آدمی شہر میں چلتے ہیں مشینوں کی طرح

اشک وہ ہے جو رہے آنکھ میں گوہر بن کر
اور ٹوٹے تو بکھر جائے نگینوں کی طرح

دوستو موڑ دو یہ وقت کا دھارا ورنہ
غرق ہوجاؤ گے اک روز سفینوں کی طرح

زندگی کیسے بسر ہوگی ہماری اخترؔ
اب تو لمحے بھی گذرتے ہیں مہینوں کی طرح





رنگِ جدید روئے غزل سے عیاں رہے
لیکن غزل کی روح غزل میں نہاں رہے

دیتا رہا فریب ہمیں ذہنِ نا رسا
اک عمر اپنے آپ سے ہم بدگماں رہے

ویرانے خندہ زن ہیں تو ہنستی ہیں بستیاں
اب خانماں خراب محبت کہاں رہے



صحرا میں تھے بگولے تو محفل میں دودِ شمع
ہر طرح سر بلند رہے ہم جہاں رہے

برسوں دھواں اٹھا دلِ خانہ خراب سے
اک لمحہ زندگی میں اگر شادماں رہے

اخترؔ مری نواؤں کو سمجھا نہیں کوئی
ہر چند اہلِ بزم مرے ہم زباں رہے

☆☆



حُسنِ اخلاق کا حق آپ ادا تو کرتے
نہ وفا کرتے مگر عہدِ وفا تو کرتے

میرا مقصود فقط آپ سے اِک نسبت ہے
آپ کرتے نہ کرم مجھ پہ جفا تو کرتے

عرضِ غم پر مری دے دیتے سزا ہی مجھ کو
کچھ عطا کرتے مجھے آپ عطا تو کرتے

آپ سے میرے تعلق کا بھرم رہ جاتا
راستے ہی میں سہی آپ ملا تو کرتے

چاہیے کیا مجھے اپنے لیے اخترؔ لیکن
کچھ نہ کرتے مرے احباب دعا تو کرتے







حُسن معصوم جو سادہ ہے تو پرکار بھی ہے
دِل سے بیزار بھی ہے دل کا طلب گار بھی ہے

کیا کروں یاد کو تیری کہ شبِ فرقت میں
وجہِ تسکین بھی ہے باعثِ آزار بھی ہے

میری دیوانگیٔ شوق پہ ہنسنے والو
کیا کوئی جلوہ گہہِ ناز میں ہُشیار بھی ہے

ہائے اس چشمِ فسوں ساز کا عالم اے دوست
راحتِ دیدہ و دل بھی ہے دل آزار بھی ہے

کیا کہیں اخترؔ برباد کا عالم کہ اُسے
فکر دنیا بھی ہے اور عشق کا آزار بھی ہے



☆

مائلِ لُطف ہے آمادۂ بیداد بھی ہے
وہ سراپائے محبت ستم ایجاد بھی ہے

شبِ تنہائی بھی ہے ساتھ تری یاد بھی ہے
دل کا کیا حال کہوں شاد بھی ناشاد بھی ہے

دولتِ غم سے ہر اک گوشہ ہے اس کا معمور
دل کی دنیا مری آباد بھی برباد بھی ہے



بے سبب تو نہیں احساس خلش کا مجھ کو
بھولنے والے ترے دل میں مری یاد بھی ہے

کیوں نہ آساں ہو رہِ عشق کہ میرے ہمراہ
جذبۂ قیسؔ بھی ہے ہمّتِ فرہاد بھی ہے

جل گیا اپنا نشیمن مگر افسوس یہ ہے
پھونکنے والوں میں اک برق چمن زاد بھی ہے

میرا وجدان محرک ہے مرے نغموں کا
طبعِ موزوں مری پابند بھی آزاد بھی ہے

کیا بتاؤں میں تمہیں کیا ہے نوائے اخترؔ
نغمے کا نغمہ ہے فریاد کی فریاد بھی ہے

☆☆



ستم بھی جانگسل اُس کا کرم بھی جانگسل اُس کا
وہ حُسنِ سادہ میری جاں کا دشمن یوں بھی ہے یوں بھی

ترا نورِ تصور ہو کہ داغوں کی درخشانی
ہمارا دل تجلی گاہِ ایمن یوں بھی ہے یوں بھی

نقاب اٹھی تو اہلِ دید کے تارِ نظر چھائے
تمہارے چہرۂ زیبا پہ چلمن یوں بھی ہے یوں بھی



وہ رعبِ حُسن ہو یا احترامِ روئے جاناں ہو
بہرصورت مری آنکھوں پہ قدغن یوں بھی ہے یوں بھی

یہ آنکھیں اشک برساتی ہوں یا رحمت برستی ہو
ہمارے واسطے ہر فصل ساون یوں بھی ہے یوں بھی

گئے تم بھی تمہاری یادگاریں بھی ہوئیں رخصت
مرا گھر ایک غیر آباد مسکن یوں بھی ہے یوں بھی

یہ شعلے میرے نالوں کے یہ حملے برق سوزاں کے
تباہی کے دہانے پر نشیمن یوں بھی ہے یوں بھی





اب چمن بھی نہیں جائے امن وسکوں، اس میں صیّاد ہیں باغباں کی طرح
طائرو پاؤں رکھنا سمجھ بوجھ کر، سب قفس ہیں یہاں آشیاں کی طرح

بجلیاں ہیں یہ سب خانہ زادِ چمن، باغباں نے بنائے ہیں دار و رسن
کیا کروں شکوۂ جورِ چرخِ کہن، جب زمیں ہوگئی آسماں کی طرح

کون ہے جو مری بات سمجھے یہاں، اس میں کوئی نہیں ہے مرا ہم زباں
آپ کی بزم میں آکے بیٹھا تو ہوں، آج میں بھی کسی بے زباں کی طرح



کیا خبر تھی کہ ہے اس قدر دل نشیں، خانۂ دل میں ہوجائے گی جاگزیں
میرے دل میں تو آئی تھی پہلے پہل، آپ کی آرزو میہماں کی طرح

ان کو میری محبت کے جذبات کا جب یقیں ہوگیا بد گماں ہوگئے
میں نے جب تک انھیں دل سے چاہا نہ تھا مجھ سے ملتے رہے مہرباں کی طرح

اخترؔ مُسلمی کا نرالا ہے فن، ہے جدا گانہ اندازِ شعر و سُخن
اس کی باتیں حقیقت سے معمور ہیں، طرزِ گفتار ہے داستاں کی طرح





لالۂ وگُل سے پوچھیے سرو وسمن سے پوچھیے
میری چمن نوازیاں حُسنِ چمن سے پوچھیے

کرگئیں سرخرو اسے کس کے لہو کی سُرخیاں
یاد نہ ہو جو آپ کو خاکِ وطن سے پوچھیے

میری نوائے حُرّیت گونجی اسی فضا میں تھی
کوہ ودمن سے پوچھیے گنگ وجمن سے پوچھیے







ایک وہ دن تھا کہ میری ہم نشینی پر تھا ناز
ایک یہ دن ہے مرے سائے سے کتراتے ہیں لوگ

پہلے تو سب حوصلہ افزائیاں کرتے رہے
بڑھ گئی دیوانگی حد سے تو سمجھاتے ہیں لوگ

اپنے اعمالِ زبوں کا ڈھونڈ لیتے ہیں جواز
غیر کی کوتاہیوں پر وعظ فرماتے ہیں لوگ





حُکمِ سزا ملے کہ نویدِ جزا ملے
کچھ تو مری وفاؤں کا آخر صلہ ملے

ہاں آپ مجھ پہ شوق سے مشقِ ستم کریں
یہ کیا ضرور ہے کہ مری کچھ خطا ملے

دیکھیں گے تیری سمت بھی ہم اے غمِ حبیب
آلامِ روزگار سے فرصت ذرا ملے



کانٹے کہیں تو سنگ ملامت ملے کہیں
راہِ طلب میں ہم کو کوئی آشنا ملے

وہ گردشِ فلک ہو کہ ہو گردشِ نگاہ
ہم کیا کہیں کہ ہم کو سبھی کج ادا ملے

دیکھا اُتر کے دل میں تو سب بے ضمیر تھے
چہرے لگائے یوں تو بہت پارسا ملے

آ ہی گئے ہو شہرِ سُخن میں جو دوستو
ملتے چلو جو اخترؔ رنگیں نوا ملے





ظلمتِ شب سے نمودار سویرا ہوگا
دور دنیا سے بہر حال اندھیرا ہوگا

پھر بہار آئے گی پھر غنچہ و گُل مہکیں گے
پھر درختوں پہ پرندوں کا بسیرا ہوگا

چند لمحوں کی مسرّت پہ نہ اِترا اے دوست
وقت ہے وقت یہ میرا ہے نہ تیرا ہوگا



جب ہر اِک شمع تمناؤں کی بُجھ جائے گی
تب کہیں جا کے شبِ غم کا سویرا ہوگا

ماہ پاروں سے کرے لاکھ محبت کوئی
دِل کی دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا

کیسے راس آئے گی اِس دل کو مسرّت کی فضا
جس کو اخترؔ غم و آلام نے گھیرا ہوگا

☆☆



دل جو رکھ نہیں سکتے دل جلا تو سکتے ہیں
آپ میری حالت پر مُسکرا تو سکتے ہیں

بدگماں رقیبوں سے آپ ہوں نہ ہوں لیکن
ایک بار آپ ان کو آزما تو سکتے ہیں

ہم جنوں کے ماروں کی بات ہی نرالی ہے
سر جھکا نہیں سکتے سر کٹا تو سکتے ہیں

گر نہ روک سکتے ہوں ظلم کرنے والے کو
دیکھ کر یہ منظر ہم تلملا تو سکتے ہیں







زخم صدموں نے لگائے مرے دل پر کتنے
ایک[1] شیشے پہ برستے رہے پتھر کتنے

دیکھنے والے مری خندہ لبی یہ بھی تو دیکھ
زخم رِستے ہیں مرے سینے کے اندر کتنے

کوئی شئے یوں تو دھڑکتی ہے ہر اک سینے میں
دیکھنا یہ ہے کہ دل کتنے ہیں پتھر کتنے

[1] مصرعہ طرح

میں نے اپنوں کی نگاہوں میں بھی دیکھے ہیں نہاں
آبلے دل کے تجھے چاہئیں نشتر کتنے

پھول برسائے ہیں مجھ پر مرے یاروں نے مگر
ڈھیر میں پھولوں کے پائے گئے پتھر کتنے

ایک بھی ہو نہ سکا تیرے سراپا کا جواب
یوں تو ڈالے مری تخئیل نے پیکر کتنے

☆☆



☆

اہلِ وفا جزا و سزا دیکھتے نہیں
ملتا ہے کیا وفا کا صلہ دیکھتے نہیں

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ہے کس کا کتنا ظرف
اہلِ نظر عبا و قبا دیکھتے نہیں

ہم جاں نثار کرتے ہیں ہر ایک کے لیے
دیتا ہے کون دادِ وفا دیکھتے نہیں

ہو مجھ گناہگار پہ بھی اک نگاہِ لطف
اہلِ کرم کسی کی خطا دیکھتے نہیں

مسرور کُن ہے دل کے لیے ہر عطائے دوست
ہم اہلِ دل وفا و جفا دیکھتے نہیں

چہرے کی ہر شکن میں ہے تحریر شرحِ غم
کیا پوچھتے ہو حال مرا دیکھتے نہیں

مقصود زندگی ہے فقط سجدۂ نیاز
کیا اُن کے در سے ہم کو ملا دیکھتے نہیں

وہ آئے، آرہے ہیں، وہ آتے ہیں، آگئے
ہم عالمِ خیال میں کیا دیکھتے نہیں

اخترؔ چلے ہو لے کے یہ شمعِ ہُنر کہاں
بدلا ہوا ہے رنگِ ہوا دیکھتے نہیں

☆☆



☆

سینے میں جو آگ لگی ہے اور اسے بڑھ جانے دو
خرمنِ ہستی جلتا ہے تو کیا پروا جل جانے دو

ناصح کو بکنے دو یارو واعظ کو فرمانے دو
عشق کی باتیں یہ کیا سمجھیں ان کو یوں ہی سمجھانے دو

عشق کا مارا غم کا ستایا کالے کوسوں آیا ہوں
اِن زلفوں کے سائے میں کچھ دیر مجھے سُستانے دو

بخش دے سارا مے خانہ ان بادہ پرستوں کو ساقی
میرے لیے تو کافی ہیں یہ آنکھوں کے پیمانے "دو"

دل میرا داغوں سے بھرا ہے ان کا دامن پھولوں سے
فیضِ بہاراں اللہ اللہ عنواں ایک افسانے دو[۲]

دل سے دل کا مل جانا بھی کوئی مشکل بات نہیں
اس آہو فطرت کو ذرا مانوس نظر ہوجانے دو

تنہائی میں دل سے اخترؔ باتیں کچھ یوں ہوتی ہیں
جیسے الٹی سیدھی باتیں کرتے ہوں دیوانے دو

☆☆



☆

بادۂ شادمانی سے مر جائے جو دوست اسے زہرِ غم کی ضرورت نہیں
میں کرم ہی سے برباد ہوجاؤں گا مجھ پہ جور و ستم کی ضرورت نہیں

میکشو تم ہو دلدادۂ میکشی بادہ و جام تم کو مبارک رہیں
چشمِ ساقی سلامت رہے تو مجھے جام کیا جامِ جم کی ضرورت نہیں

ناصحو ایسی باتوں سے کیا فائدہ ہم نے مانا جفا کار و ظالم ہے وہ
ہم تو اُس کے سِتم پر ہیں دل سے فدا دوسروں کے کرم کی ضرورت نہیں

تم تو گم کردۂ راہ ہو رہبرو رہبری کا تمہاری بھروسہ ہی کیا
خود نئی راہ منزل نکالوں گا میں مجھ کو نقش قدم کی ضرورت نہیں

توڑ ڈالو یہ زندان جور و جفا دوستو عزم و ہمت کو آواز دو
دست و بازو کی قوت سے اب کام لو نالۂ صبح دم کی ضرورت نہیں

اخترِؔ مسلمی سادہ دل ہے بہت زیرِ دام آگیا اب کہاں جائے گا
اپنی زلفوں کو اتنی نہ تکلیف دو اس قدر پیچ و خم کی ضرورت نہیں

☆☆



☆

شکوہ اس کا تو نہیں ہے جو کرم چھوڑ دیا
ہے ستم یہ کہ ستم گر نے سِتم چھوڑ دیا

لے گیا چھین کوئی سب سر و سامانِ حیات
ہاں مگر ایک سُلگتا ہوا غم چھوڑ دیا

لگ گئی اُن کو بھی شاید تِرے کوچے کی ہوا
میکدہ رِند نے زاہد نے حرم چھوڑ دیا

ہائے اس رہ روِ برباد کی منزل اے دوست
جس نے گھبرا کے ترا نقشِ قدم چھوڑ دیا

☆☆



خوشی میں بھی خوشی حاصل نہیں ہے
تمہارا غم اگر شامل نہیں ہے

نہ ہو دل میں اگر دردِ محبت
تو کوئی اور شے ہے دل نہیں ہے

محبت منزلِ انسانیت ہے
محبت کی کوئی منزل نہیں ہے



سمجھ لے آدمی مرنا جو آساں
تو جینا بھی کوئی مشکل نہیں ہے

جو اُٹھ جاتی ہے سوئے تشنہ کاماں
تری چشمِ کرم غافل نہیں ہے

جو بھر آتا ہے دردِ دیگراں سے
ہمارا دل تمہارا دل نہیں ہے





ترے بغیر بھی دل کا قرار باقی ہے
کہ تیری یاد مری غم گُسار باقی ہے

عیاں جبیں سے تو آثارِ برہمی ہیں مگر
ابھی تمہاری نگاہوں میں پیار باقی ہے

فریب خوردہ ہے اتنا کہ میرے دل کو ابھی
تم آچکے ہو مگر انتظار باقی ہے

تم اس طرح مجھے تلقینِ ضبط کرتے ہو
کہ جیسے دل پہ مرا اختیار باقی ہے

زمانہ داغِ جگر بھی مٹا نہ دے اخترؔ
نگاہِ دوست کی اک یادگار باقی ہے







کس کو کہتے ہیں جفا کیا ہے وفا یاد نہیں
اے محبت مجھے کچھ تیرے سوا یاد نہیں

دیکھیے ہوتی ہے کس طرح شبِ غم کی سحر
اب تو اے دردِ جگر کوئی دعا یاد نہیں

ہوگئی ختم رہ و رسمِ محبت شاید
میں وفا بھول گیا ان کو جفا یاد نہیں

یوں بھی کر سکتے ہو بربادِ محبت پہ کرم
ہم نے مانا کہ تمہیں عہدِ وفا یاد نہیں

دلِ دیوانہ پہ الزام لگانے والے
جس نے دیوانہ بنایا وہ ادا یاد نہیں

جس سے اختؔر ہو مرے دردِ محبت کا علاج
کیا مسیحا نفسوں کو وہ دوا یاد نہیں

☆☆



☆

دل کے اندازِ تحمل پہ ادا جھوم اُٹھی
دیکھ کر حوصلۂ ضبط جفا جھوم اُٹھی

آج بسمل کی اداؤں پہ قضا جھوم اُٹھی
وہ تماشائے فنا تھا کہ بقا جھوم اُٹھی

لذّتِ درد ملی جرمِ محبت میں اسے
وہ سزا پائی ہے دل نے کہ خطا جھوم اُٹھی

اس میں شامل تھی ترے نورِ تصوّر کی جھلک
میرے اشکوں پہ ستاروں کی ضیا جھوم اُٹھی

اس ستم پیشہ کا اندازِ ستم کیا کہیے
دیکھ کر رنگ جفاؤں کا وفا جھوم اُٹھی

چشمِ میگوں جو اُٹھی ہے تو چھلکنے لگے جام
زلفِ شب رنگ جو بکھری تو گھٹا جھوم اُٹھی

کون یہ صحنِ گُلستاں میں ہوا مستِ خرام
شاخِ گُل وجد میں ہے بادِ صبا جھوم اُٹھی

عالمِ وجد ہے ماحول پہ طاری اختر
وہ غزل تم نے سُنائی کہ فضا جھوم اُٹھی

☆☆





خوشی ہی شرط نہیں لُطفِ زندگی کے لیے
متاعِ غم بھی ضروری ہے آدمی کے لیے

میں آپ تنگ ہوں خود اپنی زندگی کے لیے
جو نقدِ جاں نہ لٹا دوں تری خوشی کے لیے

رہِ طلب نہ ہو دشوار آگہی کے لیے
جنونِ شوق بھی لازم ہے رہبری کے لیے

گلوں کو جس نے دیا خوں شگفتگی کے لیے
حرام نکہتِ گُل آج ہے اسی کے لیے

اٹھے ہیں اشکوں کے طوفاں کبھی کبھی جن میں
ترس رہی ہیں اب آنکھیں وہی نمی کے لیے

چمن کی تیرہ نصیبی نہ مٹ سکی پھر بھی
جلا چکا ہوں نشیمن بھی روشنی کے لیے

اب اس سے بڑھ کے ستم اور ہم پہ کیا ہوگا
کہ ہم چمن کے لیے ہیں چمن کسی کے لیے

مرے کلام کا شہرہ یوں ہی نہیں اختؔر
متاعِ عمر لُٹا دی ہے شاعری کے لیے

☆☆



☆

درد بن کر کبھی پہلو میں کھٹکتے رہنا
اشک بن کر کبھی آنکھوں سے ٹپکتے رہنا

ق

دل کا عالم ہے کہ آوارۂ منزل کی طرح
اپنے احساس کے صحرا میں بھٹکتے رہنا

گر کھٹکتے ہیں یہ کانٹے تو کھٹکنے دو انھیں
اے گُلو کام تمہارا ہے مہکتے رہنا

گر اماں دہر میں نہ پائیں تمہارے جلوے
نور بن کر مری آنکھوں میں چمکتے رہنا

ہوگئے کیوں نہ اسی ابروِ پُرخم کے شہید
دوست توہینِ محبت ہے سسکتے رہنا

آنے والے کی رہیں تا کہ منوّر راہیں
داغِ دل آج کی شب اور چمکتے رہنا

اب تو بس مشغلۂ زیست یہی ہے اخترؔ
پیٹتے رہنا جگر، سر کو پٹکتے رہنا







ہم نے مانا کہ ترا سب پہ کرم ہے ساقی
آنکھ کیوں تیرے پرستاروں کی نم ہے ساقی

شکوۂ تشنہ لبی مجھ کو نہیں ہے لیکن
تیرے مے خانے کی رُسوائی کا غم ہے ساقی

کیا عجب ہے جو وہ مۓ خانے میں پی کر بہکے
ظرف جس رند نو آموز کا کم ہے ساقی

پی کے بدمست کوئی ہے تو کوئی تشنہ دہن
خوب تیرا بھی یہ اندازِ کرم ہے ساقی

امتحاں لے نہ مری جرأتِ رندانہ کا
چھین لوں بڑھ کے ابھی جام یہ دَم ہے ساقی

تشنہ کامی پہ بھی مستی کا گماں ہوتا ہے
تیرے مے خانے کا اخترؔ سے بھرم ہے ساقی

☆☆



☆

تیرے قربان حُسنِ نقابی
سو حجابوں میں بھی بے حجابی

اُس نظر سے جو چھلکے گُلابی
میکشی بھول جائیں شرابی

شامِ غم میں بھی رنگِ سحر ہے
دل کا ہر داغ ہے آفتابی

وہ ستم ہو کہ حُسنِ کرم ہو
ہے بہر حال خانہ خرابی

بازیٔ عشق ہے اس میں اخترؔ
کامیابی ہے نا کامیابی

☆☆



غم کی خلش بھی رہتی ہے شاید خوشی کے ساتھ
آنکھوں سے اشک بہتے ہیں اکثر ہنسی کے ساتھ

ظاہر ہے التفاتِ نظر بے رُخی کے ساتھ
لہجے میں ان کے پیار بھی ہے برہمی کے ساتھ

یہ بارگاہِ حُسن ہے اے چشمِ شوق دیکھ
لازم ہے احترام بھی وارفتگی کے ساتھ



آیا کبھی نہ رازِ محبت زبان تک
اتنا ہے مجھ کو ہوش بھی دیوانگی کے ساتھ

غنچے جو ہیں اُداس تو بے رنگ پھول ہیں
رخصت ہوئی بہار بھی شاید کسی کے ساتھ

طے ہوتے مرحلے نہ کبھی راہِ شوق کے
دیوانگی نہ ہوتی اگر آگہی کے ساتھ

ہر گام رہزنوں سے پڑا سابقہ مجھے
جب راستہ چلا ہوں کبھی راستی کے ساتھ

اخترؔ کہوں نہ شعر تو گُھٹ جائے دم مرا
وابستہ زندگی ہے مری شاعری کے ساتھ



☆

اعجاز نگاہوں کا دِکھا کیوں نہیں دیتے
ہم عشق کے ماروں کو جلا کیوں نہیں دیتے

یہ رسمِ مۓ و جام اٹھا کیوں نہیں دیتے
اِن مست نگاہوں سے پِلا کیوں نہیں دیتے

تھا ہوش میں جب برقِ ادا تم نے گرائی
بے ہوش ہوں دامن کی ہوا کیوں نہیں دیتے



ہم چھو بھی لیں زلفوں کو تو ہوں موردِ الزام
گستاخ ہواؤں کو سزا کیوں نہیں دیتے

ہنستے ہیں بہت اہلِ خرد اہلِ جنوں پر
پردہ رُخِ زیبا سے اُٹھا کیوں نہیں دیتے

منصب ہے یہ ہم خاک نشینوں کی بدولت
یہ تخت نشیں ہم کو دعا کیوں نہیں دیتے

☆☆



میں نے سمجھا نہ تھا اے محبت یوں ترا ناز اُٹھانا پڑے گا
غم کو راحت سمجھنا پڑے گا درد میں مُسکرانا پڑے گا

دل کے نازک سفینے کو اپنے بحرِ غم میں چلانا پڑے گا
کیا خبر تھی چراغِ محبت آندھیوں میں جلانا پڑے گا

آج ساقی کی نادانیوں کو میکشو بھول جانا پڑے گا
ہے جو رکھنا بھرم میکدے کا بے پیئے ڈگمگانا پڑے گا

منزلِ شوق کی جستجو میں سامنا اتنی دشواریوں کا
اے جنوں اب تو سنگِ خرد کو راستے سے ہٹانا پڑے گا

کیا کروں شکوہ اخترؔ ستم کا میں تغافل سے مایوس کیوں ہوں
جذبِ دل ہے سلامت جو میرا ایک دن اُن کو آنا پڑے گا







لُطف ہی کیا حیات کا گر نہ ہو غم کا سلسلہ
ختم نہ ہو خدا کرے رنج و الم کا سلسلہ

کس کو کہوں کہ دونوں ہی میرے لیے ہیں جانگسل
ہو وہ کرم کا سلسلہ یا ہو ستم کا سلسلہ

بزم میں اک مرے سوا سب پہ ہے لُطف کی نظر
جور و ستم سے ہے دراز تیرے کرم کا سلسلہ

شامِ وصال جا ملی سرحدِ صبحِ ہجر سے
اتنا دراز ہوگیا قول و قسم کا سلسلہ

میرے لیے تو سہل تر ہوگئی حق کی معرفت
زینۂ معرفت بنا عشقِ صنم کا سلسلہ

حال پہ تیرے وہ کبھی ہوگا ضرور مہرباں
ٹوٹے نہ اخترؔ حزیں گریۂ غم کا سلسلہ

☆☆



☆

دل پہ کیا گذری نہ جانے پردہ اٹھ جانے کے بعد
ہو گیا میں آپ ہی گُم اُن کو پا جانے کے بعد

ایک ہی انجام ہے اے دوست حسن و عشق کا
شمع بھی بجھتی ہے پروانوں کے جل جانے کے بعد

جیتے جی اخترؔ کوئی صورت نظر آتی نہیں
حسرتیں نکلیں گی دل سے دَم نکل جانے کے بعد

☆☆



دل کچھ اتنا ہے مرا خوگر بیداد کہ بس
ہے کوئی اور ستم اے ستم ایجاد کی بس

سُن کے رودادِ الم میری وہ ہنس کر بولے
اور بھی کوئی فسانہ ہے تمھیں یاد کہ بس

ہوگئے خانہ بدر حسرت و ارماں اخترؔ
خانۂ دل میں ہوا یوں کوئی آباد کہ بس







ہم ان کی التفاتِ نظر کو ترس گئے
یعنی بہارِ زخمِ جگر کو ترس گئے

رہتا تھا روبرو کبھی اپنے اک آفتاب
آئی وہ شامِ غم کہ سحر کو ترس گئے

اِک دن وہ تھا کہ دردِ جگر تھا وبالِ جاں
اِک دن یہ ہے کہ دردِ جگر کو ترس گئے

ہوگا وہ کوئی جس پہ ہیں ان کی نوازشیں
ہم تو اِک التفاتِ نظر کو ترس گئے

ہے اُس کے در کی بات الگ ورنہ دوستو
لاکھ آستاں ہیں جو مرے سر کو ترس گئے

چونکے جو ہم تو جائزۂ دو جہاں لیا
غافل ہوئے تو اپنی خبر کو ترس گئے

اخترؔ سجی ہے گوہرِ فن سے مری غزل
کہنا نہ اب کہ اہلِ ہُنر کو ترس گئے

☆☆



# اصلاحی ترانہ

۲۹؍ دسمبر ۱۹۶۹ء کو مادرِ علمی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے مندوبین کی آمد کے موقع پر جناب اشتیاق احمد صاحب راشدؔ کی فرمائش پر یہ ترانہ لکھا گیا اور پڑھا گیا۔ اخترؔ مسلمی

☆

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن
رحمتِ ایزدی اس پہ سایہ فگن نورِ شمعِ یقیں زینتِ انجمن
بوئے ایماں ہے پھیلی چمن درچمن جوئے عرفاں ہے آغوش میں موجزن
یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن
گود میں اس کی پلتے ہیں علم و ہنر ہر طرف ضوفشاں اس کے شمس و قمر
اس کی مِٹّی سے اُگتے ہیں لعل و گُہر اس کے ذرّے ہیں صدرشکِ دُرِّ عدن
یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن
خدمتِ خلق ہی اس کی تقدیر ہے اس کے پیشِ نظر دیں کی تشہیر ہے
اور علومِ جدیدہ کی تطہیر ہے اس کا مقصد ہے تجدیدِ علمِ کہن
یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن
اپنے سینوں میں رکھتے ہیں ہم ولولے ہم سے سیکھیں چلن مشرقی منچلے
درسِ تہذیب لیں مغربی حوصلے ہر روش اس کی گہوارۂ علم و فن
یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

زورِ باطل سے آنکھیں ملاتے ہوئے      جان دیں حق پہ ہم مُسکراتے ہوئے
کانپ اُٹھے سامنے کُفر آتے ہوئے      ہم سے لرزہ بر اندام ہو اہرمن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

یہ بہاریں ہیں تعبیر خوابِ شفیعؒ      چار سو ضوفگن ماہتابِ شفیعؒ
یوں درخشاں ہوا آفتابِ شفیعؒ      شرق سے غرب تک جس کی پھیلی کرن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

کارفرما یہاں روحِ دینِ متیں      مرکزِ فکر اس کا کتابِ مبیں
اس کا دستور تقلید جامد نہیں      اس میں فکرِ فراہیؒ کا ہر سو چلن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

گوشے گوشے میں اخلاصِ شبلیؒ نہاں      شمعِ اقبالؒ جلوہ فگن ہے یہاں
اختر احسنؒ کا ایثار ہر سو عیاں      جس نے اس پر فدا کر دیئے جان وتن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

وہ رشیدِ فراہیؒ متاعِ گراں      جس سے سرسبز و شاداب ہے گُلستاں
جس کے ایثار سے ہیں بہاریں جواں      اخترؔ مُسلمی بھی ہے تنگِ چمن

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن

☆☆



## قطعات

☆

دل رمز آشنائے آگہی ہوں
نگاہِ مرتبہ دانِ خودی ہوں

مجھے سارا جہاں پہچانتا ہے
میں اپنے شہر ہی میں اجنبی ہوں

☆

میں سرمستِ شرابِ سرمدی ہوں
میں آگاہِ رموزِ بے خودی ہوں

مری دیوانگی پر ہنسنے والو
میں غافل ہی نہیں ہشیار بھی ہوں

☆

امانت[1] دار زہدِ عیسوی ہوں
میں تصویرِ جلالِ موسوی ہوں

زمانہ جیسے چاہے آزما لے
میں شاخِ گُل بھی ہوں تلوار بھی ہوں

☆

گدازِ غم ہوں سوزِ عاشقی ہوں
امینِ راز ہائے شاعری ہوں

کروں کیا جاہ و ثروت کی تمنّا
یہ کیا کم ہے کہ اخترؔ مسلمی ہوں

☆☆

[1] ایطا ہے مگر میں روا سمجھتا ہوں۔



## قطعات

☆

یہ شامِ غم کے سہارے بھی ڈوب جاتے ہیں
فلک پہ چاند ستارے بھی ڈوب جاتے ہیں

پہنچ کے خاک کنارے پہ مطمئن ہو کوئی
کبھی کبھی تو کنارے بھی ڈوب جاتے ہیں

☆

تصوّرات کی شمعیں بھی سرد ہوتی ہیں
تخیّلات کے تارے بھی ڈوب جاتے ہیں

شبِ فراق کی وہ ظلمتیں معاذ اللہ
جب آنسوؤں کے ستارے بھی ڈوب جاتے ہیں

☆

جنونِ عشق کے ماروں کی بات ہی کیا ہے
کہ عقل و ہوش کے مارے بھی ڈوب جاتے ہیں

حسین آنکھوں کی مستی میں ایک میں ہی نہیں
یہ اِتقا کے منارے بھی ڈوب جاتے ہیں

☆☆



## قطعات

☆

تیرگی کو روشنی کہتے رہیں
دشمنی کو دوستی کہتے رہیں
تابکے اے دوست خاطر سے تری
موت کو ہم زندگی کہتے رہیں

☆

بیتاب محبت کو قرار آئے تو جانیں
بربادیٔ دِل پر اُنھیں پیار آئے تو جانیں
آباد تھا تُو جب تو خزاں میں بھی کھلے گُل
اب اے دِلِ ویراں جو بہار آئے تو جانیں

☆

## قطعات



ذہنوں کے یہ خود ساختہ اصنام بدل دو
ایقان سے اندیشۂ اوہام بدل دو

اے گردشِ ایام کے مارے ہوئے لوگو
چاہو تو رُخِ گردشِ ایام بدل دو



کوئی دل بجھا کے چلا گیا کوئی دل جلا کے چلا گیا
کوئی میرے حال پہ رو پڑا کوئی مُسکرا کے چلا گیا

جسے میرے پیار پہ ناز تھا مجھے جس کا پیار عزیز تھا
جو قرارِ جاں تھا مرے لیے وہ نظر بچا کے چلا گیا





## قطعات



روتے کٹی ہے عمر ہنسی کی تلاش میں
غم جھیلتا رہا ہوں خوشی کی تلاش میں

پوچھو نہ دوستو مری ناکامیوں کا حال
گم ہوگیا ہوں آپ کسی کی تلاش میں



شکوۂ بے رخی بھول جانا پڑا
درد دل میں لیے مُسکرانا پڑا

لاج رکھنی پڑی ان کے میخانہ کی
بے پیے ہی مجھے ڈگمگانا پڑا



## قطعات



میں ہوں بذاتِ خود اگر ننگِ جہاں تو کیا ہوا
مرا کلام دل نشیں زیبِ ہر انجمن تو ہے

اخترؔ مُسلمی کے پاس ثروت و جاہ اگر نہیں
وائے نصیب دشمناں گنجِ متاعِ فن تو ہے



حُسن پر آنچ آنے نہ دیں گے
عشق کی شان جانے نہ دیں گے

خاک ہو جائے دل سوزِ غم سے
اشک آنکھوں میں آنے نہ دیں گے





## متفرقات



تم اس کو سکون بخشو تو ہو بات بھی کوئی
دل کو تو بہر حال قرار آ کے رہے گا



رات بھر تو تری راہ دیکھا کیا
صبح ہوتے ہی بیمارِ غم سوگیا



دبی چنگاریاں بھی آج آ پہنچیں نشیمن تک
ابھی کل تک تو کتراتی رہی ہیں بجلیاں ہم سے



مشکل ہے مرے دل سے نکل جائے تری یاد
ہاں لب پہ کبھی اب ترا نام آئے تو کہنا



## متفرقات



قدرت کے باوجود جو ہے معصیت سے دور
سچ پوچھیے تو صاحبِ کردار ہے وہی

اخترؔ کہ جس پہ رشک ہر اک پارسا کو ہے
پہچانتے نہیں یہ گنہہ گار ہے وہی



ہے یوں تو شفا بخش نسیمِ سحری بھی
لیکن ترے دامن کی ہوا اور ہی کچھ ہے



اس کو بھڑکاؤ نہ دامن کی ہوائیں دے کر
شعلۂ عشق مرے دل میں دبا رہنے دو



کیا زمانہ سے ملا غم کے سوا اخترؔ کو
اب وہ گوشے میں پڑا ہے تو پڑا رہنے دو





آنسوؤ تم کچھ اس طرح امنڈ آئے ہو
جیسے اب آگ مرے دل کی بجھا ہی دوگے



اسے بے خودی نہ کہے کوئی یہ کمال ذوقِ سفر کا ہے
میں چلا تھا جس کی تلاش میں وہ مقام آ کے چلا گیا



وقت کی معیّت میں پتھروں کا لشکر ہے
کون ایسی آفت میں آئینہ بنائے گا



حسیں سمجھ کر نہیں دیکھتا میں چاند کی سمت
یہ سوچتا ہوں اِسے وہ بھی دیکھتا ہوگا



دی اس نے مجھ کو جرم محبت کی وہ سزا
کچھ بے قصور لوگ سزا مانگنے لگے



## قطعۂ تاریخ

### طبع دیوانِ دوم اخترؔ مُسلمی الموسوم بہ موجِ صبا

از

شاعرِ باکمال، مورّخ بے مثال، ماہرِ فن، استاذِ سخن حضرت رحمت الٰہی
برق صدیقی اعظمیؒ

**تلمیذ رشید**

تاج الشعراء، ناخدائے سخن، فصیح العصر حضرت نوح ناروی مرحوم
جانشین بلبل ہندوستان حضرت مرزا داغ دہلوی مرحوم،

☆

پڑھیے اس فنکار کا شیریں کلام دور کرنی ہے اگر دل کی خلش
اٹھ گئے اُردو زباں کے قدر داں ورنہ یہ ہے لائقِ داد و دہش
مصرعۂ تاریخ چاہا میں نے جب بولا ہاتف باسلام و کورنش
برقؔ لکھ دو عیسوی تاریخ یہ
دیکھئے دیوان اخترؔ کی کشش
۵۹ ۷۱ ۱۲۰۱ ۳۰ ۶۲۰

۱۹۸۱ء

# جام وسنداں

غیر مطبوعہ



غم خانۂ ہستی میں جینے کی دعا مانگے
مجرم ہوں میں ایسا جو آپ اپنی سزا مانگے

محدود ہے دامن ہی مانگے بھی تو کیا مانگے
جو بخش دیا تو نے کیا اس سے سوا مانگے

بیداد زمانے کی دیکھے تو ذرا کوئی
یہ درد کے ماروں سے نغمے کی صدا مانگے

ہستی مری خاکستر کر ڈالی مگر اب بھی
یہ شعلہ محبت کا دامن کی ہوا مانگے

ہاں ہے وہ بُرا اخؔتر جس کو نہ ہو یادِ احساں
اس سے بھی بُرا ہے جو احساں کا صلہ مانگے





اُٹھائے ہاتھ میں پتھر تلاش کرتا ہے
میں آئینہ ہوں ستمگر تلاش کرتا ہے

مری خودی نے یہ عظمت مجھے عطا کی ہے
میں تشنہ لب ہوں سمندر تلاش کرتا ہے

مجھی سے بادہ کشی کا وقار قائم ہے
وہ بادہ کش ہوں کہ ساغر تلاش کرتا ہے



کمالِ ذوق سفر کا یہ معجزہ دیکھو
کہ رہ نورد کو رہبر تلاش کرتا ہے

وہ دن گئے کہ مقدر کی جستجو تھی مجھے
مجھے خود آج مقدر تلاش کرتا ہے

رہینِ منّتِ مرہم تو کیا یہ زخمِ جگر
کسی نگاہ کا نشتر تلاش کرتا ہے

فتورِ عقل پہ اس کی ہنسیں کہ روئیں ہم
وجودِ سر ہی نہیں در تلاش کرتا ہے

رہا نہ دارا کہ دعویٰ تھا ہمسری کا اُسے
کسے جہاں میں سکندر تلاش کرتا ہے

یہ بے خودی یہ سراسیمگی یہ بے تابی
وہ کون ہے جسے اخترؔ تلاش کرتا ہے

☆☆



دریا نظر نہ آئے نہ صحرا دکھائی دے
جوشِ جنوں ہو جس کو اسے کیا دکھائی دے

میں آ گیا کہاں کہ یہ حسرت نظر کو ہے
اے کاش اس جگہ کوئی اپنا دکھائی دے

خنداں جبیں لبوں پہ ہنسی پر خلوص دل
دورِ طرب میں کوئی تو ایسا دکھائی دے

خواہاں ہیں وہ کہ سارا زمانہ ہو ان کے ساتھ
اوروں کو چاہتے ہیں کہ تنہا دکھائی دے

اخترؔ کو دیکھتے نہیں اچھی نظر سے آپ
پھر بھی یہ چاہتے ہیں کہ اچھا دکھائی دے







تھی تلاش جس کی نہ پوچھیے وہ ملا مجھے کہ ملا نہیں
یہ نہ جانے کیسا مقام ہے مجھے آپ اپنا پتا نہیں

ترا ہجر موت سے کم نہیں، ترا قُرب حاصلِ زندگی
مرے پاس کیا ہے جو تو نہیں، مرے پاس تو ہے تو کیا نہیں

وہ تھے سامنے تو نہ ہو سکی مجھے اُن سے جرأتِ گفتگو
جو چلے گئے تو ملال ہے یہ کہا نہیں وہ کہا نہیں

جو فدا ہوں ان کی اداؤں پر تو وہ اس پہ چیں بجبیں ہیں کیوں
یہ قصور ان کی نظر کا ہے مری اس میں کوئی خطا نہیں

مری بات مان لے چارہ گر نہ علاج درد کی فکر کر
نہ رہوں گا میں یہ گیا اگر مرا درد مجھ سے جُدا نہیں

وہ ہے ایک زاہدِ خود غرض یہ ہے ایک میکشِ بے غرض
بخدا ہماری نگاہ میں وہ بھلا نہیں یہ بُرا نہیں

ذرا اور پیدا خلوص کر کہ ملے مقامِ عبودیت
ترے دل سے اخترِؔ مُسلمی ابھی نقشِ غیر مٹا نہیں

☆☆



☆

غضب ہے آج وہ کرتے ہیں سنگسار مجھے
پنھا رہے تھے جو کل تک گلوں کے ہار مجھے

جو پستیوں میں گرادے وہ زندگی کیا ہے
مرے خدا تو عطا کر فرازِ دار مجھے

نہ پوچھ مجھ سے کہ میں کتنا سر بلند ہوا
بنایا جب سے محبت نے خاکسار مجھے

ہر اختیار مرا اُس کے اختیار میں ہے
دیا ہے یوں تو بہت اس نے اختیار مجھے

ہے کچھ زمیں کا بھی حق مجھ پہ رفعتِ پرواز
بلندیوں سے فلک کی ذرا اُتار مجھے

تضاد قول و عمل میں نہ کوئی رہ جائے
مرے خدا مرے فن کی طرح سنوار مجھے

☆☆



☆

مرے واسطے جہاں میں کوئی دل کشی نہیں ہے
کہ ترے بغیر جینا کوئی زندگی نہیں ہے

تری ذات کے علاوہ مجھے اور چاہیے کیا
تو اگر ہے ساتھ میرے مجھے کچھ کمی نہیں ہے

وہ نظر نظر نہیں ہے نہ ہو جس میں عکس تیرا
کوئی دل ہے وہ بھی جس میں غمِ عاشقی نہیں ہے

کوئی واسطہ نہیں ہے جسے دردِ دیگراں سے
وہ ہے آدمی کا پیکر مگر آدمی نہیں ہے

مرے دوستو نہ دیکھو مجھے چشمِ خشمگیں سے
کہ رہینِ بادہ نوشی مری بے خودی نہیں ہے

مرے دل کے داغ تو ہی ذرا اور لَو بڑھا دے
شبِ غم ہے تیرہ تیرہ کہیں روشنی نہیں ہے

مری بات سُن کے اختر سُنی اَن سُنی نہ کردو
یہ حدیث جان و دل ہے نِری شاعری نہیں ہے

☆☆



☆

فن کو نادانوں کی تحسیں نے سنورنے نہ دیا
اِس نئے دور کے شاعر کو سُدھرنے نہ دیا

مری تخئیل کی رفعت کو نہ پہنچا کوئی
اور میں نے اسے پستی میں اُترنے نہ دیا

اس نے کی حوصلہ افزائی بھی دل شِکنی بھی
شوق کو میرے کبھی حد سے گزرنے نہ دیا

تہ میں دریائے محبت کی نہ جانے کیا ہے
ڈوبنے والے کو پھر جس نے اُبھرنے نہ دیا

اس نے جینے نہ دیا چین سے مجھ کو اختر
میں نے مرنا بھی اگر چاہا تو مرنے نہ دیا

☆☆



حیات رنجِ حسد سے نجات پا جائے
قرار میرے دلِ بے قرار کو آئے



کسی طرح تو جلے گھر مرے پڑوسی کا
بلا سے میرا بھی گھر جل کے خاک ہوجائے

یہ اعتمادِ عبادت بھی خوب ہے زاہد
خدا تو خوش ہے خفا ہیں بلا سے ہمسائے



جو ناسمجھ ہیں انھیں ٹوکنا تو آساں ہے
جنونِ عقل کے ماروں کو کون سمجھائے

یہ مثلِ سنگ، اذیّت رساں ہیں ان کے لیے
بہار اہلِ جُنوں پر نہ پھول برسائے

ہیں بے ہُنر بھی کچھ اہلِ ہُنر کے منصب پر
ہم آج آپ کی محفل میں آکے پچھتائے

خلوص کی وہ خنک دھوپ کیا ہوئی اخترؔ
دہک رہے ہیں فریبِ خلوص کے سائے





دنیا مرے حالات سے بیزار الگ ہے
مجھ سے مرے نغموں کی طلب گار الگ ہے

مجھ رند بلا نوش کا معیار الگ ہے
پی کر جو بہک جائے وہ میخوار الگ ہے

کیا دِل کو سکوں آئے گا اقرار وفا سے
کب آپ کے اقرار سے انکار الگ ہے



ہے سامنے دیوار کے برپا یہ قیامت
اک حشر پسِ پردۂ دیوار الگ ہے

اِک سمت تو ڈھاتا ہے ستم مجھ پہ زمانہ
دل مجھ سے اِدھر برسرِ پیکار الگ ہے

پتھر ہی برستے ہیں ابھی سر پہ ہمارے
اے اہلِ جنوں مرحلۂ دار الگ ہے

کرنے کو بڑی بات تو سب کرتے ہیں اخترؔ
حق بات جو کہتا ہے سرِ دار الگ ہے

☆☆



نہ سمجھ سکی جو دنیا یہ زبانِ بے زبانی
ترا چہرہ خود کہے گا مرے قتل کی کہانی

یہ عذابِ آسمانی یہ عتابِ ناگہانی
ہیں کہاں سمجھنے والے مرے آنسوؤں کو پانی

کہیں لُٹ رہا ہے خرمن کہیں جل رہا ہے گُلشن
اسے کس نے سونپ دی ہے یہ چمن کی پاسبانی



مری تجھ سے کیا ہے نسبت، مرا تجھ سے واسطہ کیا
تو حریصِ لالہ و گُل میں فدائے باغبانی

تجھے ناز حُسن پر ہے، مجھے ناز عشق پر ہے
ترا حُسن چند روزہ مرا عشق جاودانی

یہ وہ دل رُبا ہے دنیا میرے دوستو کہ جس کی
نہ کوئی ادا نئی ہے نہ کوئی ادا پرانی

کوئی اس سے کہہ دے اخترؔ ذرا ہوش میں وہ آئے
نہ رہے گا زندگی بھر یہ سرورِ شادمانی





قاصد نے تو مجھ سے جو کہا اور ہی کچھ ہے
پیغام جو لائی ہے صبا اور ہی کچھ ہے

مانا کہ ہیں پُر کیف شبِ وصل کے لمحے
لیکن شبِ فرقت کا مزا اور ہی کچھ ہے

اقرارِ محبت تو بڑی بات ہے لیکن
انکارِ محبت کی ادا اور ہی کچھ ہے



ہے یوں تو سکوں بخش نسیمِ سحری بھی
لیکن ترے دامن کی ہوا اور ہی کچھ ہے

حاصل نہیں کچھ چارہ گرو سعیِ عبث سے
اس دردِ محبت کی دوا اور ہی کچھ ہے

انصاف کے پردے میں یہ کیا ظلم ہے یارو
دیتے ہو سزا اور، خطا اور ہی کچھ ہے

اصنافِ سخن یوں تو سبھی خوب ہیں اخترؔ
جو صنفِ غزل میں ہے مزا اور ہی کچھ ہے

☆☆

☆

مصلحت پوش بہت کم سخنی ہوتی ہے
کتنی معیوب دریدہ دہنی ہوتی ہے

ق

کم ہی پایا ہے یہ شیرینی رہی ہو شیریں
بیشتر تلخ ہی شیریں سخنی ہوتی ہے

راحتِ دیدہ و دل اس کی نظر ہے لیکن
سَمِ قاتل بھی تو ہیرے کی کنی ہوتی ہے



اپنے حصے کی بھی دیدیں گے تمھیں کو ناصح
بادہ نوشوں کی طبیعت وہ غنی ہوتی ہے

۱

فکر ہی کیا تھی یہ احساس جو ہوتا اس کو
صاف انکار سے خاطر شکنی ہوتی ہے

۲

بے نقاب آنے میں کیا عذر ہے تم کو اے دوست
رات کو چادرِ مہتاب تنی ہوتی ہے

۳

غیر کیا اپنے بھی بیگانے نظر آتے ہیں
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

۴

اس کی زلفوں ہی پہ موقوف نہیں ہے اختر
بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے

☆☆

نوٹ: اس غزل کے آخری چار اشعار حفیظ جونپوری مرحوم کے چار مصرعوں پر تظمین ہیں حفیظ مرحوم کی روح سے معذرت کے ساتھ۔ اختر مسلمی



رسوا میں ہوں گا اور بھی کچھ اس بیان سے
دُکھ ہوگا آپ کو بھی مری داستان سے

یہ حکم ہے کہ دادِ ستم دو ستم کے بعد
پالا پڑا ہے مجھ کو بھی کس امتحان سے

جائیں گے عیدگہ تو پلٹ کر نہ آئیں گے
یہ حوصلہ اگر ہے تو نکلو مکان سے

اپنے کئے کی آپ سزا پا رہا ہوں میں
شکوہ[1] زمیں سے ہے نہ گلہ آسمان سے

اخترؔ میں وہ کتاب ہوں سمجھو گے کیا مجھے
غائب ہیں جس کے چند ورق درمیان سے



۱؎ مصرعہ طرح



## لختِ جگر جمیلہؔ کی اچانک رُخصتی پر
### قلم برداشتہ



کیا کہوں ہے مضمحل کتنا دلِ خانہ خراب
سب کے سب بے کیف ہیں کیا چاندنی کیا ماہتاب

یہ مرا گھر، اور میں، اور یہ مری تنہائیاں
بند ہے ہر سمت سے میرے لیے خوشیوں کا باب

جاگتا رہتا ہوں میں جب تک تو گھبراتا ہے دل
نیند آتی ہے تو تیرا دیکھتا رہتا ہوں خواب

اے مری بیٹی جمیلہ اے مری لختِ جگر
اِک نہ ہونے سے ترے، دل کو ہے کتنا اضطراب

''اے جمیلہ'' بھول کر آواز دے دیتا ہوں میں
خون ہوجاتا ہے دل جب کچھ نہیں ملتا جواب

دیکھنا تم اپنے شوہر کا سدا رکھنا خیال
تلخ باتیں بھی اگر کہہ دے نہ دینا تم جواب

ہے خدا تیرا نگہباں ہے وہی تیرا معین
ایک دن ہو کر رہے گا ہر ستم کا سدِّ باب

کس قدر تجھ کو مرے دکھ درد کا احساس تھا
کیا بتاؤں باپ کی خاطر کا کتنا پاس تھا

☆☆

اخترؔ مسلمی



## مدح امام حسینؓ

☆

یہ ایک ہم ہیں کہ شکوہ نہیں جفاؤں سے
وہ ایک تم ہو کہ ہو بدگماں وفاؤں سے

جو لوٹ لیتے ہیں خود راہرو کو منزل پر
خدا بچائے ہمیں ایسے رہنماؤں سے

سفینہ اپنا خدا کے حوالے کرتا ہوں
نہ لگ سکے گی کنارے یہ ناخداؤں سے

سمجھ سکے گا کوئی کیا ہماری عظمت کو
ہم آسماں کو بھی روند آئے اپنے پاؤں سے

جبین عزم پہ آیا نہ بل جفاؤں سے
وفا پرست نہ گھبرائے بے وفاؤں سے

دبا حسین نہ جبروت کے خداؤں سے
چراغِ[1] فاطمہ کھیلا کیا ہواؤں سے

تھی ہیچ دنیا نگاہوں میں دین کے آگے
جب آئی سامنے ٹھکرا دیا ہے پاؤں سے

اثر حسین کے انکار ہی کا ہے لوگو!
کہ تخت آج بھی لرزاں ہے بے نواؤں سے

جو کربلا میں شہیدوں کے لب سے نکلی تھی
وہ آرہی ہے صدا آج بھی فضاؤں سے

نکھر رہی ہے شہیدوں کے خون کی سرخی
لہو کی آتی ہے اب بھی مہک ہواؤں سے

[1] مصرعہ طرح



شگفتہ چہرے جبیں خنداں لب تبسّم ریز
ہوئے ہیں یوں بھی جُدا بچّے اپنی ماؤں سے

کبھی یہ سامنے باطل کے سرنگوں نہ ہوئے
خطا ہوئی تھی بس اتنی سی بے خطاؤں سے

یہ مدح آلِ نبی کا کرشمہ ہے اخترؔ
لرز رہا ہے جو باطل مری نواؤں سے

☆☆

## مسجد روضۂ علی عاشقانؒ



پیکرِ عظمت حسنِ مجسّم
دیکھ کے حیراں دیدۂ عالم

اس کے ہر اک گوشہ سے ہویدا
طینتِ عیسیٰؑ، عفت مریم

گاہ جمال میں ڈھلتا قالب
گاہ جلال کا پیدا عالم



دیکھ رہے ہیں اہلِ بصیرت
دونوں مناظر اس میں مدغم

جیسے فضا میں اس کا منارہ
لہرائے توحید کا پرچم

ہیں متاثر دونوں اس سے
حق متبسّم، باطل برہم

کیسے بیاں ہوں اس کے محاسن
خامہ شکستہ، ناطقہ اَبکم



## نذرانۂ خلوص

مولوی قمرالدین سہریا اور اشتیاق احمد راشدؔ مہوارہ کے سفرِ حج کے موقع پر

☆

مژدہ باد اے عازمِ بیت الحرام
زندہ باد اے راہیٔ دار السلام

عزم تیرا لائقِ صد احترام
ہو مبارک تجھ کو حج کا اہتمام

تیری خوش بختی کو حاصل ہو دوام
خوش نصیبی پاؤں چومے صبح و شام



ہو طوافِ کعبہ سے تو فیض یاب
اور دیکھے روضۂ خیر الانام

تو کہ پہنچے منزلِ مقصود تک
اور لوٹے بامراد و شاد کام

روضۂ اقدس کی جالی کے قریب
جاکے کہہ دینا ہمارا بھی سلام

السلام اے عازمِ بیت الحرام
السلام اے راہیٔ دار السلام

☆☆

# نذرانۂ خلوص حجاجِ کرام



مبارک ہو تجھے طیبہ کا عالم دیکھنے والے
مبارک بارشِ انوارِ پیہم دیکھنے والے

ترے سینے میں ہے اک شمع عرفان و یقیں روشن
حرم میں سجدۂ پیہم سے ہے تیری جبیں روشن

ہوا آئینۂ دل صاف تیرا رنگِ اسود سے
مٹا ہر نقش باطل بوسہ ہائے سنگِ اسود سے

تری آنکھوں میں پنہاں ہیں دیارِ پاک کے جلوے
سمیٹے ہیں ترے دِل نے بہارِ پاک کے جلوے

اب اِس سے بڑھ کے کیا ہو کامیابی زندگانی کی
رسولِؐ پاک کے گھر جا کے تونے میہمانی کی





# نذرانۂ خلوص

بتقریب آمد عزّت مآب جناب مسعود احمد صاحب
وزیر تعمیرات عامہ وامورِ ثقافت



مژدہ اے دل کہ مسرّت کا پیام آیا ہے
پھر گلستاں میں بہاروں کا سلام آیا ہے

کون میخانے میں یہ مست خرام آیا ہے
رند سرشار ہیں پھر دور میں جام آیا ہے

دل پہ اک کیف و مسرّت کا ہے عالم طاری
لبِ خاموش پہ کس شخص کا نام آیا ہے

بزم میں آج ہوا ہے جو ورودِ **مسعود**
لب پہ رندوں کے محبت کا سلام آیا ہے

دور اے خاک نشینوں یہ اندھیرا ہوگا
عرش سے فرش پہ اک ماہِ تمام آیا ہے

ختم ہوجائے گی اب غم کی تپش چہروں سے
پرچمِ مہر و وفا لے کے غمام آیا ہے

اب سنور جائے گا پھر نظمِ گلستاں اخترؔ
جذبۂ شوق بڑے وقت یہ کام آیا ہے

ہم ہیں مسرور کہ بر آئی تمنّا دل کی
ڈوبتی کشتی کو امید بندھی ساحل کی

☆☆



## نذرانۂ خلوص

بتقریب آمد عزت مآب شری رام نریش
وزیر اعلیٰ اتر پردیش

☆

کس کی آمد سے ہے صد رشکِ چمن روئے زمیں     کس کے چرنوں میں جھکاتا ہے فلک اپنی جبیں
کون آیا ہے یہاں کون آیا ہے یہاں

کس کی آمد سے ہیں مسرور دلِ اہلِ وطن     کس کی آمد سے خزاں میں بھی کھلے لاکھ چمن
کون آیا ہے یہاں کون آیا ہے یہاں

رقص فرما ہے مسرت کی حسیں شہزادی     جس طرف دیکھیے ہے جشنِ مبارکبادی
کون آیا ہے یہاں کون آیا ہے یہاں

ایک اُتساہ اُمنڈ آیا ہے دیہاتوں میں     رونقیں پھوٹ پڑیں شہر میں بازاروں میں
کون آیا ہے یہاں کون آیا ہے یہاں

اب مرے صحنِ گلستاں میں بہار آئے گی     آرزو اب دلِ ناشاد کی بر آئے گی
کون آیا ہے یہاں کون آیا ہے یہاں

جاگ اٹھنے کو ہے تقدیرِ وطن آج کے بعد     ہوگا معمور بہاروں سے چمن آج کے بعد

کون آیا ہے یہاں کون آیا ہے یہاں

کشتِ ویراں کے لیے گنگ و جمن رام نریش     بات سچ یہ ہے کہ ہے فخرِ وطن رام نریش

کون آیا ہے یہاں کون آیا ہے یہاں

سر نہ کیوں فخر سے اونچا ہو ہمارا اخترؔ     آج ہے اپنا بلندی پہ ستارا اخترؔ

کون آیا ہے یہاں کون آیا ہے یہاں

☆☆

۲۷/ جون ۱۹۷۷ء



# سہرا

☆

ہر تار ہے جلوؤں میں روشن ہر گل ہے درخشاں سہرے میں
شامل ہے یقیناً کچھ فیضِ حسنِ رخِ جاناں سہرے میں

یہ نکہتِ جاں پرور توبہ یہ حُسن و لطافت کا عالم
ہر برگِ گلِ تر ہے گویا صد رشکِ گلستاں سہرے میں

ہر سمت فضائے محفل میں نغموں کا تلاطم برپا ہے
محسوس یہ ہوتا ہے جیسے ہر گل ہے غزل خواں سہرے میں

ماں باپ کی خوشیوں کا باعث نوشہ کی مسرت کا ساماں
ہے اور نہ جانے کتنوں کی تسکین دل و جاں سہرے میں

بے تابیٔ دل اب کیا معنی ہر شکوۂ غم ہے لا یعنی
پوشیدہ فہیم احمد ہے ترے ہر درد کا درماں سہرے میں

تنظیم کو اس کی کافی تھے الفاظ و معانی کے موتی
پھر کس لیے اخترؔ ہم کرتے شامل گل و ریحاں سہرے میں

☆☆



## سہرا

☆

لیے ہوئے ہے جلو میں اپنے تمام حسنِ بہار سہرا
بنا رہا ہے تمام عالم کو عالمِ لالہ زار سہرا

یہ جاں فزا بو یہ رنگ تاباں یہ حسن دلکش بہار ساماں
کسی کے حسنِ خیال کا ہے سراسر آئینہ دار سہرا

نہ سمجھیں اہلِ نظر اسے صرف ایک مجموعہ رنگ و بو کا
بنا ہوا ہے کسی دلِ مضطرب کا صبر و قرار سہرا

بجائے گل گوہرِ معانی پرو کے لایا ہوں نظمِ صورت
ندیم تیرے رخِ منوّر پہ کر رہا ہوں نثار سہرا

کچھ اس طرح محفلِ طرب میں ہے اخترؔ مسلمی غزل خواں
حریف بھی اب پکار اُٹھے کہ ہے بہت شاندار سہرا

☆☆

# سہرا



جلو میں اپنے لایا ہے بہار جاں فزا سہرا
دکھاتا ہے گلستانِ ارم کو آئینہ سہرا

بہار آئی ہوا بدلی کھلے غنچے فضا مہکی
بنا ہے تب کہیں جاکر یہ دل کش دل رُبا سہرا

شعورِ زندگی بیدار ہو جاتا ہے خود جس سے
عطا کرتا ہے دل کو ایک ایسا حوصلہ سہرا

یہیں سے زندگی کے حوصلے لیتے ہیں انگڑائی
دکھا دیتا ہے شوق و جستجو کا راستہ سہرا

سنی جاتی ہے دھڑکن دو دلوں کی ایک قالب میں
نیاز و ناز کو دیتا ہے وہ درسِ وفا سہرا



جوانی کے تلاطم خیز دھارے کس طرف جائیں
زہے قسمت کہ ان دھاروں کا سنگم بن گیا سہرا

سفینہ گھر گیا تھا دل کا حسرت خیز طوفاں میں
مگر کام آگیا ایسے میں بن کر ناخدا سہرا

نہ ٹوٹے گا کبھی اب عمر بھر رشتہ محبت کا
یہ پھولوں کی ہیں لڑیاں یا ہے زنجیرِ وفا سہرا

بہی خواہوں کی وابستہ ہیں اس سے کتنی امیدیں
ہے کتنے تشنگانِ آرزو کا آسرا سہرا

عزیز و اقربا مسرور ہیں احباب شاداں ہیں
ہے کتنے دل کی ٹھنڈک کتنی آنکھوں کی ضیا سہرا

ملی ان کی بدولت آج چہرے کو بھی زیبائش
رُخِ نوشہ پہ لگتا ہے بڑا ہی خوشنما سہرا



## سہرا

بتقریب عقدِ نکاح ابوالکلام ابن ریاض الحق، برئی پور

☆

نوشاہ کے سر پر لوگوں نے یہ آج جو باندھا ہے سہرا
رشک آئے بہارِ جنت کو وہ رنگ دکھاتا ہے سہرا

کیا تم سے کہوں اہلِ محفل کیا چیز ہے کیسا ہے سہرا
ہر آنکھ کو بھاتا ہے سہرا ہر دل کو لُبھاتا ہے سہرا

پھولوں کی مہک موتی کی جھلک تاروں کی دمک بجلی کی چمک
ہر چیز نظر آ جاتی ہے دیکھو یہ سخن کا ہے سہرا



پھولوں کے عوض میں لایا ہوں الفاظ و معانی کے موتی
اے اہلِ نظر آؤ دیکھو دنیا سے نرالا ہے سہرا

اے چرخِ کہن نظروں سے تری گذرے تو بہت ہوں گے سہرے
انصاف سے کہہ دے تو نے کبھی اس طرح کا دیکھا ہے سہرا

رزّاق کا ہے اخلاص نہاں ایثار ہے ذکر الحق کا عیاں
کیا حال ریاض الحق ہو بیاں رگ رگ میں سمایا ہے سہرا

ہیں شاد وہاب اِدھر دل میں مسرور اُدھر عبد الرب ہیں
احباب و اعزہ نازاں ہیں ہر اک کی تمنا ہے سہرا

اقبال کے ارماں کا پیکر جاوید کی امیدوں کا نشاں
کیا پوچھنا سہرے کا عالم دیکھو تو ذرا کیا ہے سہرا

مسرور ہیں شاداں ہیں سالم سچ تو یہ ہے نازاں ہیں سالم
بھائی کے منوّر چہرے پر جس وقت سے دیکھا ہے سہرا

کلیوں میں ہے ارماں کی رنگت پھولوں میں محبت کی نکہت
کس پیار سے بشریٰ عذرا نے مل جل کے سجایا ہے سہرا

صدقے رخِ زیباں پر اخترؔ کرتا ہوں کلامِ شاداں کے
گل ہائے مضامیں چُن چُن کر میں نے جو یہ گوندھا ہے سہرا

کہہ دو یہ حریفوں سے جاکر دعویٰ ہے سخن کا تو لکھ دیں
اس شاعرِ دانا اخترؔ نے جس رنگ میں لکّھا ہے سہرا

☆☆



## سہرا

☆

کس کی محفل کا سماں لے کے بہار آئی ہے
نکہت و نور کی ہر سمت فضا چھائی ہے

کس کا پیغامِ مسرّت یہ صبا لائی ہے
پھول تو پھول ہیں کانٹوں کو ہنسی آئی ہے

عندلیبانِ گلستاں ہوں کہ احبابِ وطن
دیکھیے جس کو وہی سہرے کا سودائی ہے

کوئی نسبت ہی نہیں شمع سے پروانے کو
آج تو یہ رُخِ نوشاہ کا شیدائی ہے

بادۂ کیف مسرّت سے سبھی ہیں سرشار
جیسے خوشیوں کی پری دل میں اتر آئی ہے

بھائی بہنیں جو ہیں مسرور تو خوش ہیں ماں باپ
آج اُمید بہی خواہوں کی بر آئی ہے

اس وارفتگیٔ شوق کا کیا کہنا ہے
عشق کی محفلِ جاناں میں پذیرائی ہے

جب سے حسنِ رُخِ نوشہ پہ نظر ڈالی ہے
چشمِ نرگس کی فزوں قوتِ بینائی ہے

ہیں جو سہرے میں گہرہائے مضامیں اخترؔ
باغِ فردوس کا ہر پھول تماشائی ہے

☆☆



## سہرا

### بتقریب عقد نکاح محمد اسلم، منجیر پٹی

☆

کہکشاں جاگی شبِ تار کا منظر بدلا    مرکزِ فکر و نظر قلب کا محور بدلا
در حقیقت دلِ اسلم کا مقدر بدلا    اب دعائے دلِ ایوب نے پیکر بدلا
لے کے پیغام بہار آج صبا آئی ہے
کشتِ اسلم پہ مسرت کی گھٹا چھائی ہے

آج حسنات کا یہ جذبۂ تعمیر تو دیکھ    چشمِ سالم کے حسین خواب کی تعبیر تو دیکھ
رُخ پہ عاصم کے جو بکھری ہے وہ تنویر تو دیکھ    قلبِ شاہد کی تمناؤں کی تصویر تو دیکھ
شاد ماں آج نظر آتے ہیں کس درجہ نیاز
ہیں مئے شوق سے سرشار ریاض و اعجاز

مہکا مہکا سا ہے دامانِ صبا آج کے دن　　نکہت و نور میں ڈوبی ہے فضا آج کے دن
دل کو ہونے لگا احساسِ وفا آج کے دن　　شوخ تر ہوگیا کچھ رنگِ حنا آج کے دن
مسکراتے ہیں صمد دیکھیے ہر گام پہ آج
دل کو آئی ہے ہنسی گردشِ ایام پہ آج

رشکِ صد رنگ گلستاں ہے ہر اک غنچہ و گل　　نازشِ بزم نگاراں ہے ہر اک غنچہ و گل
جلوۂ حسن سے حیراں ہے ہر اک غنچہ و گل　　اپنی تصویر پہ نازاں ہے ہر اک غنچہ و گل
بادۂ حسن سے لبریز ہے پیمانۂ گل
آج اشفاق نظر آتے ہیں دیوانۂ گل

یوں ہی قائم رہے یہ جشنِ چراغاں تا دیر　　پھول برساتی رہے فصلِ بہاراں تا دیر
دل رہے سارے اعزہ کا غزل خواں تا دیر　　رہیں گھر والے اسی طرح سے شاداں تا دیر
کاش آئے نہ کبھی فصلِ خزاں دل کے قریب
یعنی اٹھے نہ کبھی دردِ نہاں دل کے قریب

رشتۂ نو ہے الٰہی اسے محکم کردے　　راز سر بستۂ اخلاص کا محرم کردے
عیش و آرام کے سامان فراہم کردے　　دور اِن دونوں سے دنیا کا ہر اک غم کردے
اے خدا عہد محبت کا ادا ہو جائے
ہر لڑی سہرے کی زنجیرِ وفا ہو جائے

☆☆



## سہرا

☆

چاند نکلا فضائیں منوّر ہوئیں آسماں پر ستارے چمکنے لگے
لالہ و گل کھلے ہیں کچھ اس طرح سے جیسے گلشن میں شعلے دہکنے لگے

ہے ستارہ بلندی پر ہر پست کا، ہے منوّر جہاں ہر در و دشت کا
جشنِ شادی ہے کس صاحبِ بخت کا، خار بھی پھول بن کر مہکنے لگے

حال بہتر ہو مستقبل و حال کا، بخت اونچا ہو نوشہ کے اقبال کا
دیکھ کر عیش نوشاہِ خوشفال کا، رنج و غم کا کلیجہ دھڑکنے لگے

مست ہر بادہ کش ہے جسے دیکھیے، یا اُسے دیکھے یا اِسے دیکھیے
رند مستی میں ہیں جام گردش میں ہے، بزم عشرت میں ساغر کھنکنے لگے

آج ہر سمت نغموں کی بوچھار ہے، سارا عالم مسرّت میں سرشار ہے
آج کچھ آپ بھی اخترِؔ مسلمی جام عشرت کا پی کر بہکنے لگے

☆☆



ڈاکٹر ناطق اعظمی، سرائے میر اعظم گڈھ

ایک قصیدہ جو مرثیہ بن گیا

## اخترؔ تمہارے بعد

☆

کس کو غزل سنائیں گے اخترؔ تمہارے بعد
پرکھے گا کون شعر کے جوہر تمہارے بعد

جب بھی اصولِ فن سے کرے گا کوئی گریز
ٹوکے گا کون بزم میں اٹھ کر تمہارے بعد

شیرینیٔ زبان و سلاست کے واسطے
اربابِ ذوق ترسیں گے یکسر تمہارے بعد

دوشیزۂ غزل کی سنوارے گا کون زلف
آخر کرے گی ناز یہ کس پر تمہارے بعد

لائے گا کون ڈوب کر الفاظ کے گُہر
ڈھونڈے گا 'بحرِ نطق' شناور تمہارے بعد

تشبیہ دے کے قلب کی دامن کے داغ سے
جھانکے گا کون شیخ کے اندر تمہارے بعد

تخئیل کے حسیں پری زاد و ماہوش
پائیں گے کیسے لفظوں کے پیکر تمہارے بعد

شعروں کے بت تراش تو آئیں گے بے شمار
شاید نہ پھر اٹھے کوئی آذر تمہارے بعد

دیکھے گا کون حسن کی عشوہ طرازیاں
سمجھے گا کون عشق کے تیور تمہارے بعد



تعمیر کر کے اپنی اُمیدوں کا آشیاں
رکھے گا کون برق کی زد پر تمہارے بعد

ویراں دکھائی دے گی مہ و خور کی شاہراہ
کٹ جائیں گے خیال کے شہپر تمہارے بعد

ڈالیں گے سر پہ خاک بہاروں کے قافلے
ہوں گے اداس سرو و صنوبر تمہارے بعد

دیکھے گا روز راہ بصد شوق و اضطراب
پردہ حریمِ ناز کا اٹھ کر تمہارے بعد

راز و نیاز شوق کی روداد دلپزیر
آئیں گی یوں نہ شعروں میں ڈھل کر تمہارے بعد

'خم خانۂ' ادب کا سماں ہوگا سوگوار
کھنکیں گے پھر نہ شیشہ و ساغر تمہارے بعد

موجِ صبؔا کے ساز پر نغمات چھیڑ کر
گھولے گا کون کانوں میں شکر تمہارے بعد

موجود تم ہو اس لیے خاموش ہے ابھی
موجِ نسیم کھولے گی دفتر تمہارے بعد

صامت کی کیا مجال ہے ناطق کے سامنے
کوئی سخن طراز ہو کیوں کر تمہارے بعد

☆☆



پیدائش یکم جنوری ۱۹۲۸ء

وفات ۲۵/جون ۱۹۸۹ء

جناب اختؔر مسلمی صاحب واقعی مستند شاعر ہیں۔

اُن کا شمار ملک کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔

نذیر بنارسی


**WISE PUBLICATIONS**

10-Azmi Apartments, N-1, Abul Fazl Enclave

Jamia Nagar, New Delhi-25

